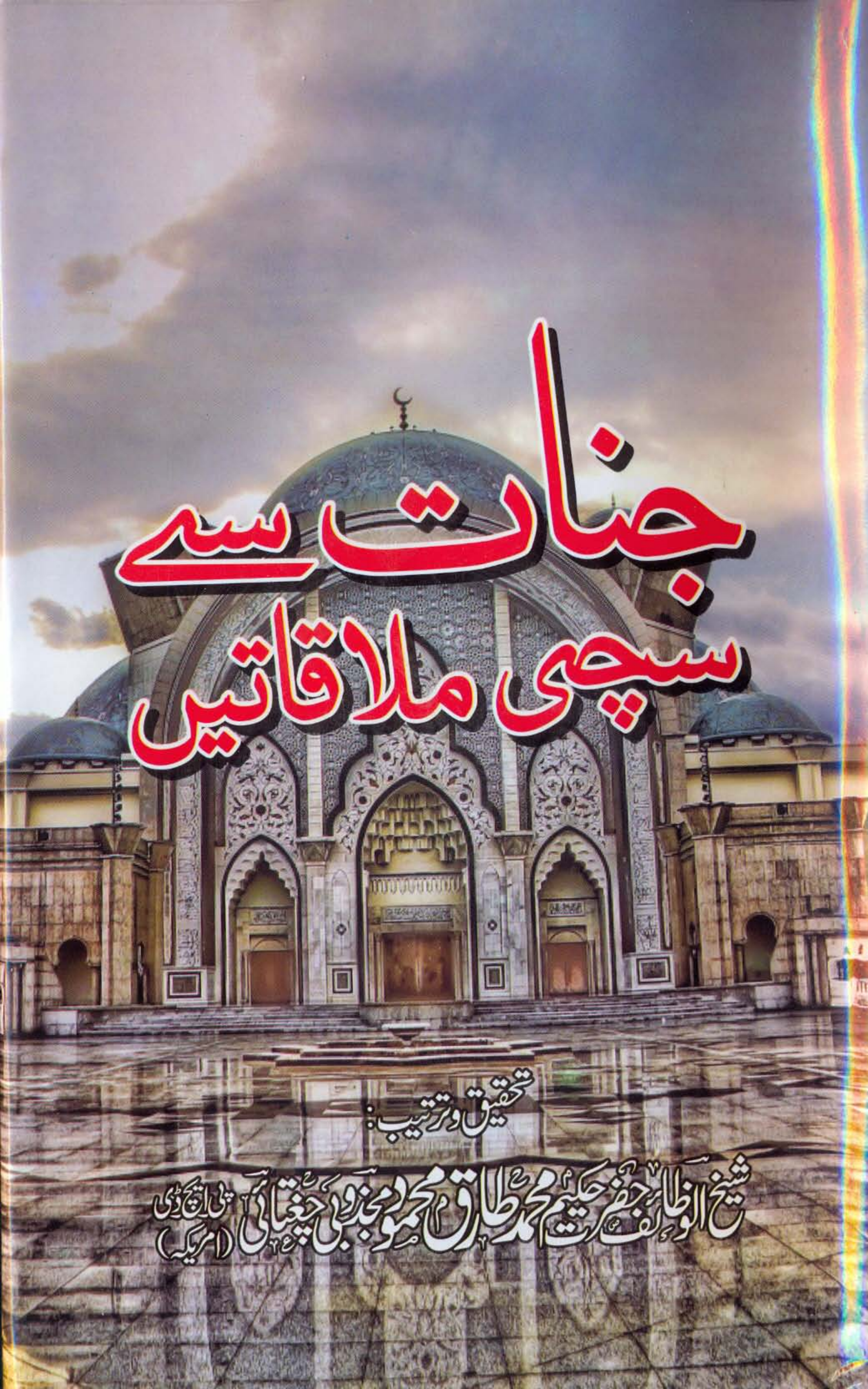
جنات سے سچی ملاقاتیں



تحقیق و ترتیب:
شیخ الوظائف حضرت حکیم محمد طارق محمود مجذوبی چغتائی پی ایچ ڈی (امریکہ)

جنات سے سچی ملاقاتیں

عبقری ®

حکیم محمد طارق محمود مجذوبی چغتائی

جنات سے سچی ملاقاتیں

تحقیق و ترتیب

شیخ الوظائف حضرت حکیم محمد طارق محمود مجذوبی چغتائی مدظلہ
پی۔ایچ۔ڈی (امریکہ)

دفتر ماہنامہ عبقری

مرکز روحانیت وامن 78/3 عبقری اسٹریٹ
نزد قرطبہ مسجد مزنگ چونگی لاہور

نام کتاب: جنات سے سچی ملاقاتیں

تحقیق وترتیب: شیخ الوظائف حضرت حکیم محمد طارق محمود مجذوبی چغتائی مدظلہٗ

ناشر: دفتر ماہنامہ عبقری مرکز روحانیت وامن 78/3 عبقری اسٹریٹ نزد قرطبہ مسجد مزنگ چونگی لاہور

ایڈیشن: اول، جون، 2014ء

Website:www.ubqari.org

042-37425801-0322-4688313

فہرست

حال دل

قرآن مجید کی سورۂ رحمٰن، سورۂ جن، سورۂ نمل، سورۂ سبا، سورۂ حجر اور سورۂ کہف میں اس مخلوق کا ذکر موجود ہے جو انسانوں سے پہلے بھی دنیا پر موجود تھی اور جنہیں جنات کہا جاتا ہے۔

ان سورتوں کی تفسیر میں جنات کی خصوصیات کچھ یوں بیان ہوئی ہیں کہ یہ وجود انسان کے برعکس آگ کے شعلوں سے خلق کیا گیا ہے جبکہ انسان مٹی سے خلق ہوا ہے۔ یہ علم و ادراک اور حق و باطل کی تشخیص کی صلاحیت رکھتا ہے اور منطق و استدلال کی قدرت رکھتا ہے۔ فرائض اور ذمہ داری رکھتا ہے۔ جزا،سزا اور حساب و کتاب رکھتا ہے۔ ان میں ایک گروہ مومن اور دوسرا گروہ مشرک اور کافر ہے۔ ان میں آسمانوں تک پہنچنے کی طاقت اور غیبی خبروں کو سننے کی صلاحیت تھی مگر رسول اکرم ﷺ کے مبعوث ہونے کے بعد روک دی گئی۔ ان میں بعض جنات کی نسلیں ایسی ہیں کہ جن کی طاقت بہت زیادہ ہے۔ ان میں انسانوں کے بعض کام انجام دینے کی صلاحیت بھی ہے (ملکہ سباء کے تخت کا لانا)۔ تاہم انسان کا مقام اور منزلت ان سے بلند ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو بھی انسان کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا جو جنات کے سرداروں میں سے تھا جبکہ عوام الناس میں یہ بات مشہور ہے کہ جنات انسانوں سے بہتر ہیں اور طاقت ور ہیں لیکن قرآنی آیات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان جنات سے بہتر ہیں کیونکہ خداوند عالم نے جتنے بھی انبیاء اور مرسلین ہدایت کے لئے بھیجے ہیں وہ سب انسانوں میں سے تھے اور انہی میں سے پیغمبر اکرم ﷺ بھی ہیں، ان پر جنات کا ایمان تھا اور جنات نے آپ ﷺ کی اتباع و پیروی کی۔

اگرچہ جنات دور دراز علاقوں میں رہتے ہیں تاہم بیشتر جن آبادیوں میں رہتے ہیں مگر دوسری مخلوق انسانوں کی آبادیوں سے دور رہتے ہیں۔ یہ خود انسانوں کے علاقوں میں

نہیں آتے لیکن اگر انسان ان تک پہنچ جائیں تو ان کو تنگ کرتے ہیں۔

دنیا میں لاکھوں انسانوں کا یہ خیال ہے کہ جو چیزیں انسان کے حواس خمسہ سے ثابت نہ ہوں ان کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ یہی نظریہ بہت سے لوگوں کے لئے خدا کے وجود سے انکار کا سبب بھی بنا ہے۔ یعنی جو نظر نہ آئے، جو سنائی نہ دے، جسے چھوا نہ جا سکے، جسے چکھا نہ جا سکے، جسے سونگھا نہ جا سکے۔ اس کا کوئی وجود نہیں۔ تو پھر انسان شاید دنیا میں کچھ بھی کرنے کے قابل نہ رہے۔ کیونکہ خیالات، نظریات، تصورات، تشبیہات وہ چیزیں ہیں جو حواس خمسہ سے ثابت نہیں کی جا سکتیں۔ مغربی ممالک میں بھوت پریت پر کتنا یقین کیا جاتا ہے اس کا اندازہ اس بات سے ملتا ہے کہ امریکہ اور یورپ کا کوئی ایسا ملک نہیں کہ جہاں گھوسٹ ہنٹر موجود نہ ہوں بلکہ ہر ملک میں کئی ایسے ادارے موجود ہیں کہ جہاں بھوتوں کو پکڑنے کی تربیت دی جاتی ہے۔

عرب ممالک خصوصاً سعودی عرب میں مدینہ منورہ اور طائف میں جنات کی ایک بڑی تعداد آباد ہے۔ مدینہ منورہ کے نزدیک وادی جن ہے کہ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہاں پر جنات کی خاصی آبادی ہے جبکہ طائف میں ابھی بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے جنات اور ان کی اولاد موجود ہے۔ بہرحال ایسے واقعات کی تعداد لاتعداد ہے کہ جس کا سائنس اور پیراسائیکالوجی بھی جواب دینے سے قاصر ہے۔۔۔ اس کتاب میں بھی آپ ایسی ہی جنات سے ملاقات کی سچی، انوکھی اور دل کو دہلا دینے والی کہانیاں پڑھیں گے۔ اگر آپ کی بھی کبھی کسی جن سے ملاقات ہوئی ہو تو ایڈیٹر عبقری کو ضرور بذریعہ خط بتائیں۔ آپ کی تحریروں کا انتظار رہے گا۔

خواستگار اخلاص و عمل

حکیم محمد طارق محمود مجذوبی چغتائی عفی اللہ عنہ
عبقری اسٹریٹ نزد قرطبہ مسجد مزنگ
چونگی لاہور۔ 042-37425801

حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ سے جنات کا تلمذ

حضرت استاد و شیخ کی ذات بہت سی صفاتِ کمالیہ کی جامع تھی۔ ایسی اونچی صفات جو بہت کم شخصیتوں کو نصیب ہوتی ہے۔ مجھے حضرت کے زیرِ سایہ تقریباً چار سال ۵۲ء تا ۵۵ء رہنے کا شرف نصیب ہوا ہے جن میں سے ایک سال خاص فیض صحبت اٹھانے یعنی دورہ حدیث پڑھنے کا موقع حاصل رہا ہے۔ حضرت نے ایک مرتبہ دوران درسِ حدیث ارشاد فرمایا:۔۔۔ کہ حسبِ عادت جب میں ایک سال سلہٹ پہنچا (حضرت ہر ماہ رمضان سہلٹ میں گزارتے تھے) تو مجھے بتایا گیا کہ یہاں ایک لڑکا ہے جو اسکول میں پڑھتا ہے اس لڑکے کے والد عامل تھے جو تسخیرِ جنات وغیرہ کا کام کرتے تھے، بالعموم ہوتا تو یہ ہے کہ جنات اس قسم کا عمل کرنے والوں سے دشمنی اور عداوت کا برتاؤ کرنے لگتے ہیں لیکن خلافِ معمول اس بچہ کو جنات نے اپنی تحویل میں والد کی زندگی ہی میں لیا ہے اور جنات اس لڑکے کی ہر طرح دیکھ بھال اور تربیت کرتے ہیں۔

جو مانگتے لا دیتا:

وہ ایک لڑکا دبلا پتلا، نحیف ولاغر تھا، اسکول کے بچے جب اس سے تازہ مٹھائیاں اور بے موسم پھلوں کا مطالبہ کرتے تھے تو وہ رقم رومال میں باندھ کر انار کے ایک درخت سے لٹکا دیتا تھا جو اسکول ہی کے احاطہ میں ایک طرف واقع تھا۔ تھوڑی دیر بعد جب رومال کو اتار کر کھولتے تھے تو اس میں مطلوبہ مٹھائی یا بے موسم پھل جس کی بھی خواہش ظاہر کی جاتی، موجود ہوتا تھا۔ مقامی لوگوں نے مجھ سے کہا اس لڑکے سے اسکول کے ساتھی اس طرح تفریح کیا کرتے ہیں۔

وہ موکل ہمارے درمیان تھا:

میرے سلہٹ پہنچنے کا جب اس لڑکے سے ذکر کیا گیا تو اس نے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے کہلا بھیجا کہ اپنے موکل سے ملائیں، لڑکا اس کام کے لئے آمادہ ہوگیا اور ایک وقت مقرر کیا گیا جو غالباً مغرب کے بعد کا تھا، میں مولانا جلیل احمد صاحب اور ایک دو مقامی حضرات کو ساتھ لے کر وہاں پہنچا (غالباً حضرت قاری اصغر علی صاحب جو حضرت کے خادمِ خاص معتمد علیہ اور مزاج شناس خصوصی ہیں یہ بھی ہمراہ تشریف لے گئے تھے) ایک دالان تھا، جنوب رویہ اسکے دروں پر چادر تان دی گئی تھی جس طرح عورتوں کے لئے پردہ کیا جاتا ہے۔ اندر پردہ سے ایک ہی تخت بچھا ہوا تھا، اس پر لیمپ روشن تھا، ہم لوگوں کے بیٹھنے کے لئے پردہ کے باہر سامنے کچھ فاصلے پر فرش بچھا دیا گیا تھا۔ لڑکے نے اندر تخت پر بیٹھ کر ایک رکوع تلاوت کیا جس سے روشنی دھیمی ہوگئی لیکن پھر بھی لڑکا پسِ پردہ بیٹھا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ایک دراز قد سایہ سا بشکل انسان لڑکے کی طرف بڑھتا ہوا محسوس ہوا اور سلام کر کے لڑکے کے برابر آبیٹھا، سلام کی کیفیت عجیب تھی جس کو الفاظ میں ادا نہیں کیا جاسکتا۔ ایک بھنبھناتی ہوئی جھرجھری، باریک اور تیز آواز جس میں مجھ سے خطاب تھا (یعنی السلام علیکم یا مولانا) کچھ دیر تامل کے بعد میں نے کہا: ہم آپ کو بے حجاب دیکھنا چاہتے ہیں، آپ سامنے بلا آڑ کے تشریف لائیے۔ اسی اپنے جناتی لہجے میں بولے: یہ چیز ہمارے بس سے باہر ہے، ہم بغیر کسی آڑ کے سامنے آنے کی قدرت نہیں رکھتے، متعدد باتوں کا شکوہ کیا۔

بزرگ جن کے ساتھی حضرت مدنی کے شاگرد:

مولانا آپ نے وقت موجود میں دیر کردی، جس کا میں نے اعتراف کیا اور معذرت کی۔ بولے ایک مرتبہ ہم دیوبند گئے تھے یہ مولانا جلیل احمد صاحب

قدوری شریف پڑھا رہے تھے اور ہمارے بعض ساتھی آپ کے شاگرد بھی ہیں۔ سب کچھ باتیں ہوچکنے کے بعد میں نے کہا ہماری گورنمنٹ برطانیہ سے لڑائی ہورہی ہے، ہم آزادی چاہتے ہیں اور وہ ہم کو غلام رکھنا چاہتی ہے، ہمارا یہ مطالبہ ہے اور ان کا ہم پر تسلط رکھنا ناجائز اور ظلم ہے، اس سلسلے میں آپ ہماری کوئی مدد کرسکتے ہیں؟ (نصب العین کے لئے وارفتگی ملاحظہ ہو) جواب دیا: یہ ہمارے بس کی بات نہیں ہے پھر وہ حسبِ دستور اجازت طلب کر کے سلام کرتے ہوئے اس طرح رخصت ہوگئے، ہمیں صرف وہی آدمی کی شکل کی پرچھائیں سی معلوم ہوئیں اور کچھ نہیں۔ ہم نے سلام کا جواب دیا، لڑکے نے لیمپ کی بتی ابھاری اور دالان روشن ہوگیا پھر ہم وہاں سے چلے آئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس بزرگ جن کے بعض ساتھی حضرت مدنیؒ کے شاگرد ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت کے فیوض تلمذ سے کتنے جنات فیض یاب ہوئے یہ نہیں بتایا جاسکتا اور شاید یہ خود حضرتؒ کو بھی معلوم نہ ہو۔ (''شیخ الاسلام نمبر'')

☆☆☆☆☆

اماوس کا آسیب

ان فطری سربستہ رازوں میں سے ایک کا قصہ، اسرار
جنہیں انسان اب تک سمجھ نہیں سکا

پولیس ملازمت کے دوران مجھے کئی بار روزمرہ زندگی سے ہٹ کر ایسے مشاہدات کرنے کے مواقع ملے جو میرے لئے حیران کن ثابت ہوئے۔ میں بنیادی طور پر آسیب یا جن وغیرہ پر یقین نہیں رکھتا، اگر کوئی ایسا واقعہ سننے یا دیکھنے میں آئے تو اس کی توجیہہ سائنسی انداز میں کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ میرا اپنا ذاتی خیال ہے کہ جس بات کو ہم مافوق الفطرت سمجھتے ہیں اسے ہم علم یا تحقیق کی کمی کے باعث سمجھ نہیں پاتے۔

ایک عورت کی پراسرار خودکشی:

کئی سال پہلے کی بات ہے میں لاہور میں اندرونِ شہر ایک تھانے میں بطور ایس ایچ او تعینات ہوا اور ابھی علاقے اور لوگوں سے واقفیت کر رہا تھا۔ گرمیوں کے دن تھے، میں اپنے دفتر میں بیٹھا زیرِ تفتیش مقدمات کا مطالعہ کر رہا تھا کہ محرّر بھاگا بھاگا میرے پاس آیا اور کہنے لگا: ''جناب! وائرلیس کنٹرول سے اطلاع ملی ہے کہ محلہ شریف پورہ میں ایک عورت نے خودکشی کی کوشش کرتے ہوئے اپنے آپ کو ریوالور سے گولیاں مار دی ہیں''

میں نے فوراً نوٹ بک اٹھائی، ٹوپی سر پر رکھی اور متعلقہ عملے سمیت سرکاری گاڑی پر محلہ شریف پورہ روانہ ہوگیا۔ گاڑی ہمیں سڑک پر کھڑی کرنی پڑی کیونکہ مطلوبہ گھر تنگ گلیوں میں تھا۔ پُرپیچ گلیوں میں سے گزرتا ہوا میں اپنے عملے کے ہمراہ اپنی منزل تک پہنچا تو وہاں محلے داروں کا ہجوم تھا۔ انہوں نے بتایا کہ اختر علی کی بیوی نازیہ نے خودکشی کرنے کی کوشش کی ہے اور اہلِ محلہ اسے سرکاری ہسپتال لے گئے ہیں۔

خواب گاہ میں پڑا خون اور ریوالور:

اس وقت تک ایک گولی کے بجائے کئی گولیاں کا لفظ میرے ذہن میں سوالات پیدا کر چکا تھا۔ کم از کم میرے لئے یہ پہلا موقع تھا کہ خودکشی یا اقدامِ خودکشی کرتے ہوئے کسی نے اپنے آپ کو ایک گولی کے بجائے کئی گولیاں ماری ہوں۔ میں نے فیصلہ کیا کہ مضروبہ کے پیچھے ہسپتال جانے سے پہلے جائے حادثہ دیکھ لوں۔ مجھے خدشہ تھا کہ اس دوران گھر والے یا محلہ کے لوگ اہم ثبوت ضائع کر دیں گے۔ میں نے سب سے پہلے وہ کمرہ دیکھا جہاں مبینہ طور پر نازیہ نے خود کو گولیاں ماری تھیں۔ یہ نچلے متوسط طبقے کا گھر تھا اس کمرے میں (کچھ خواتین جمع تھیں) جو دیکھنے میں خواب گاہ لگتا تھا۔ میں نے ایک معمر خاتون سے دریافت کیا: ''گھر کے مرد کہاں ہیں؟'' وہ کہنے لگی: ''میرا خاوند اور بیٹا اختر علی دونوں صبح سے اپنی دکان پر گئے ہوئے ہیں''

میں نے پوچھا: ''وہ ریوالور کدھر ہے جس سے نازیہ نے خود کو گولیاں ماریں؟'' اس خاتون نے اشارے سے بتایا کہ وہ سامنے بستر پر پڑا ہے۔ میں نے دریافت کیا: ''واقعے کے بعد کسی نے اسے ہاتھ تو نہیں لگایا؟'' وہی خاتون بولی: ''یہ میرے بیٹے اختر علی کا لائسنسی ریوالور ہے۔ الماری میں رکھا ہوتا تھا۔ آج جب نازیہ پر پھر دورہ پڑا تو اس نے الماری سے نکال کر خود کو گولیاں مار لیں، تب سے کسی نے اسے ہاتھ نہیں لگایا''

میں نے رومال سے ریوالور پکڑ کر اس کی نالی سونگھی، بارود کی تازہ بو آرہی تھی۔ چیمبر دیکھا، چھ میں سے تین گولیاں چلی ہوئی تھیں۔ میں نے ریوالور قبضے میں لے لیا۔ بستر پر خون کے نشانات موجود تھے، میں نے احتیاطاً چادر کا خون آلود حصہ کاٹ کر اٹھا لیا۔ کمرے میں بغور دیکھا، کوئی اور قابلِ ذکر چیز نظر نہیں آئی۔ اس ابتدائی تفتیش کے بعد میں باہر نکل آیا۔ اب ہماری اگلی منزل ہسپتال تھی۔ وہاں نازیہ انتہائی نگہداشت کمرے (آئی سی یو) میں زیرِ علاج تھی۔ میں نے ڈیوٹی ڈاکٹر سے پوچھا: ''مضروبہ کی حالت کیسی ہے؟ آیا وہ بیان دینے کے قابل ہے یا نہیں؟''

حیران کن بات:

ڈاکٹر نے بتایا: ''مضروبہ نے اپنے پیٹ میں تین گولیاں ماری ہیں اس کی حالت کافی خراب ہے لیکن بچنے کے امکانات کافی روشن ہیں۔ تاہم ابھی تک وہ بے ہوش ہے اور بیان دینے کے قابل نہیں'' ڈاکٹر کا بیان حاصل کر کے میں واپس تھانے میں چلا آیا۔

دوسرے دن بھی نازیہ پوری طرح ہوش میں نہیں آئی تھی۔ تیسرے دن ہسپتال معلوم کیا تو پتہ چلا کہ نازیہ کو اس کے گھر والے لے گئے ہیں۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اتنی جلد وہ گھر واپس جانے کے قابل کیسے ہوگئی؟ اس پر ڈاکٹر نے بتایا: ''مضروبہ اور اس کے گھر والوں نے ہنگامہ کھڑا کر دیا کہ اب وہ ٹھیک ہے، مزید علاج وہ گھر پر ہی کروائیں گے۔ ہم زبردستی کسی مریض کو ہسپتال میں نہیں روک سکتے''

ہسپتال سے میں سیدھا مضروبہ کے گھر پہنچا۔ اس کا شوہر بھی گھر پر موجود تھا۔ نازیہ کی عمر تقریباً ستائیس اٹھائیس سال تھی۔ چہرے پر نقاہت طاری تھی۔ شکل و صورت سے اسے بلاشبہ حسین عورت کہا جاسکتا تھا۔ میں اور سب انسپکٹر محمد اسلم کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ میں نے نازیہ سے پوچھا: ''بی بی! کیا آپ اپنا بیان ریکارڈ کروانے کی حالت میں ہیں؟''

برکت درزی کے گھر حور:

اس نے جواب دیا: ''جی ہاں! آپ لکھنا شروع کیجئے'' اس نے پھر بتانا شروع کیا: ''میں اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی ہوں، والد درزی تھے۔ میٹرک تک پڑھی، اس کے بعد گھر پر سینا پرونا کرنے لگی۔ اس وقت تک میں عام سی لڑکی تھی اور مجھے کسی قسم کا کوئی ذہنی یا جسمانی عارضہ لاحق نہیں تھا لیکن خدا نے شکل وصورت ایسی دی تھی کہ دیکھ کر راہ چلتے لوگ رک جاتے۔ دیکھنے والے حیران ہوتے تھے کہ برکت درزی کے گھر خدا نے حور پیدا کر دی ہے۔ میرے گھر کا ماحول شریفانہ تھا اور پردے کی پابندی تھی۔ پھر بھی محلے کی تمام عورتیں میرے حسن کے متعلق باتیں کرتی تھیں۔ میں

خود بھی کئی کئی گھنٹے آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر اپنے آپ کو تکتی رہتی۔

بال سکھانے چھت پر گئی اور۔۔۔!

ایک دفعہ سردیوں میں نہانے کے بعد بال سکھانے چھت پر گئی۔ دھوپ میں بیٹھی تھی کہ اچانک مجھے محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے پورے جسم پر قبضہ کر لیا ہو، میں ہل جل بھی نہیں سکتی تھی۔ بے ہوشی جیسی یہ کیفیت کئی منٹ رہی۔ اس کے بعد ہوش آیا تو چارپائی پر پڑی تھی۔ گھر والے آس پاس کھڑے تھے۔ پوچھنے لگے: تمہیں کیا ہوا تھا؟ لیکن مجھے خود سمجھ نہیں آئی کہ میرے ساتھ کیا ہوا۔ ہم سب نے اسے اتفاقیہ واقعہ سمجھ کر بھلا دیا۔

بڑی بوڑھیاں بولیں: بیٹی کی شادی کردو!

پورے ایک مہینے بعد پھر مجھ پر وہی کیفیت طاری ہوگئی، ہاتھ پاؤں اکڑ گئے اور میں بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ کچھ لوگوں نے اسے ہسٹریا کہا، کچھ نے کہا کہ لڑکی کو آسیب ہو گیا ہے۔ بڑی بوڑھیوں نے میرے ماں باپ کو مشورہ دیا کہ لڑکی کی شادی کردو، ٹھیک ہو جائے گی۔ اس کے بعد پھوپھی زاد اختر علی کے ساتھ ہنگامی بنیاد پر میری شادی کر دی گئی۔ اختر نے شادی کے بعد ہر طرح سے میرا خیال رکھا۔ لیکن مہینے میں ایک دفعہ مجھے دورہ ضرور پڑتا تھا۔

تمام ٹوٹکے بے اثر:

رفتہ رفتہ مجھے احساس ہوا کہ دورہ ہمیشہ اماوس کی رات پڑتا ہے۔ میرے شوہر نے میرا ہر طرح کا علاج کروایا اور تعویذ دھاگے سے بھی مدد لی۔ کسی پیر نے بتایا کہ سمندر پر لے جا کر سر کے سارے بال منڈواؤ اور انہیں سمندر کی لہروں کی نذر کردو، آسیب کا اثر ختم ہو جائے گا۔ لیکن تمام ٹونے ٹوٹکے بے اثر رہے۔ ایک دفعہ تو دورے کے دوران میں نے سخت گرم توے پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے، ہتھیلیاں جل گئیں لیکن

مجھے ذرا برابر تکلیف کا احساس نہ ہوا۔ میری ساس نے جلنے کی بو پر بھاگ کر میرے ہاتھ توے سے جدا کئے'' یہ کہہ کر نازیہ نے اپنی ہتھیلیاں دکھائیں۔ جلنے کے زخم تو بھر چکے تھے لیکن جلد اپنی شکل تبدیل کر چکی تھی۔

یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

تازہ واقعہ کے متعلق نازیہ نے بتایا: ''مجھے کچھ پتہ نہیں کہ میں نے کب الماری سے ریوالور نکالا اور خود کو گولیاں ماریں'' میں نے نازیہ پر جرح کا آغاز کرتے ہوئے کہا: ''آپ کو کسی اور نے تو گولیاں نہیں ماریں؟ آپ کے اپنے خاوند سے تعلقات کیسے ہیں؟ کہیں آپ اپنے خاوند کو بچانے کے لئے تو یہ نہیں کہہ رہیں کہ گولیاں آپ نے خود ماری ہیں؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ نے خود کو تین گولیاں ماریں؟''

وہ لیٹی لیٹی اچانک تختے کی مانند کھڑی ہوگئی:

میرے تابڑ توڑ سوالات جاری تھے، ساتھ ہی میں اس کی آنکھوں کی حرکات نوٹ کرتا رہا۔ یہ میرا پیشہ ورانہ رویہ ہے کہ ملزم، مدعی یا گواہ سے تفتیش کے دوران اس کی آنکھوں اور جسمانی حرکات وسکنات پر خصوصی توجہ مرکوز رکھتا ہوں۔ اچانک مجھے نازیہ کی آنکھوں میں عجیب سی چمک اُڑتی محسوس ہوئی ساتھ ہی لگا جیسے اس کی نظریں بدل گئی ہیں اور اب اس کے بجائے کوئی اور شخص میرے سامنے بیٹھا ہے۔

وہ بستر پر لیٹی ہوئی تھی، میرے دیکھتے ہی دیکھتے اچانک جھٹکا لے کر کسی تختے کے مانند کھڑی ہوگئی۔ اب اس کی آواز بھی بدل گئی۔ پہلے وہ بڑے شائستہ لہجے میں بات کر رہی تھی اب اس نے انتہائی کرخت اور اکھڑے لہجے میں مجھ سے پوچھا: ''ایس ایچ او صاحب! آپ کی تفتیش ختم ہوتی ہے کہ نہیں؟ جب میں کہہ رہا ہوں کہ گولیاں میں نے خود ماری ہیں تو پھر آپ کو اس سے کیا؟''

''باباجی آگئے ہیں سب کلام مجید کا ورد شروع کردو''

یہ امر میرے لئے حیران کن تھا کہ ایک عورت جس کے پیٹ کی صرف تین دن

پہلے سرجری ہوئی ہے، وہ جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی اور اچانک اس کا طرزِ تکلم زنانہ سے مردانہ ہوگیا۔ میں نے سب انسپکٹر چودھری اسلام کی طرف دیکھا اس کا رنگ زرد پڑ چکا تھا۔ لیکن گھر والے اس صورتحال سے خوف زدہ نہیں تھے۔ اس کے شوہر اختر علی نے کہا: ''باباجی آگئے ہیں سب کلام مجید کا ورد شروع کردو''

جناب! بھاگ چلیں یہ تو جنات کا معاملہ ہے:

یہ سن کر گھر کے سب لوگ زیرِ لب کچھ پڑھنے لگے۔ ادھر میں اور باباجی ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانک رہے تھے۔ سب انسپکٹر محمد اسلم نے میرے کان میں کہا: ''جناب! یہاں سے بھاگ چلیں یہ تو جنات کا معاملہ ہے۔ میں نے سنا ہے کہ جنوں کو تنگ کیا جائے تو وہ اصل انسان کو چھوڑ کر دوسرے کو چمٹ جاتے ہیں''

اس عورت نے میرے نائب کے یہ جملے سنے تو قہقہے لگانے لگی۔ ان قہقہوں کی آواز میں آج تک نہیں بھول سکا۔ وہ عجیب اور پُراسرار سے اور خوف پیدا کرنے والے قہقہے تھے۔ اب ہم دونوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں فیصلہ کیا کہ تفتیش مکمل ہوچکی لہٰذا یہاں سے نکل چلو۔ چنانچہ ہم وہاں سے اُٹھے۔ نازیہ کا خاوند ہمیں دروازے تک چھوڑنے آیا۔ کہنے لگا: ''اگر مزید پوچھ گچھ کرنی ہو تو جب جی چاہے آئیں یہ آپ کا اپنا گھر ہے''

سب انسپکٹر بولا: آسیب اسے چھوڑ کر مجھے پکڑ لے گا:

میں سیدھا تھانے پہنچا اور تفتیش کی روداد روزنامچے میں لکھی۔ اگلے دن طبی معائنے کی رپورٹ موصول ہوگئی۔ اس کے مطابق پستول پیٹ کے اوپر رکھ کر فائر کیے گئے تھے۔ گولیوں کے زخموں کے زاویے سے محسوس ہوتا تھا کہ مضروبہ نے خود اپنے آپ کو زخمی کیا ہے، کسی اور نے نہیں۔ میری تفتیش مکمل ہوچکی تھی، یہی کہ مضروبہ نے جنون کے عالم میں ہوش وحواس سے بیگانہ ہو کر خود کو گولیاں ماریں، اس کی نیت

خودکشی کرنے کی نہیں تھی۔ اس کے بعد میں نے سب انسپکٹر کو بلا کر چھیڑا: ''چودھری صاحب! آؤ ذرا مضروبہ کا بیان تو جا کر مکمل کر لیں'' یہ سن کر محمد اسلام کا رنگ دوبارہ پیلا پڑ گیا۔ بولا: ''جناب! ڈاکوؤں اور لٹیروں کی گرفتاری کے لئے ساتھ لے چلیں، اشتہاریوں کی گرفتاری کے سلسلے میں پولیس مقابلہ کرنے کو تیار ہوں لیکن خدارا اس آسیب زدہ گھر میں مجھے مت بھیجیں، میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، آسیب اسے چھوڑ کر مجھے پکڑ لے گا''

میں نے قہقہہ لگا کر تفتیش کی مکمل رپورٹ اس کے آگے رکھ دی اور بتایا کہ یہ مقدمہ داخلِ دفتر کیا جا رہا ہے۔ اس طرح خودکشی کا مقدمہ تو حل ہو گیا لیکن میں آج تک اس واقعے کو نہیں بھلا سکا اور یہ ہی یہ سمجھ میں آیا کہ اگر اس عورت پر آسیب نہیں تھا تو پھر اس کے ناقابلِ فہم رویے کے پیچھے محرّکات کیا تھے؟ فطرت کے ایسے کئی سربستہ راز ہیں جنہیں ہم ابھی تک سمجھ نہیں سکے (آفتاب احمد)

☆☆☆☆☆

آوازِ غیب

یہ واقعہ موضع دھوگڑی ضلع جالندھر (بھارت) میں دور کے رشتے سے میرے ماموں خان امین علی اکبر مرحوم کو پیش آیا تھا۔ انہوں نے تقریباً چالیس سال پہلے خود مجھے سنایا تھا۔ جالندھر مکیریا برانچ لائن پر جالندھر جنکشن سے تقریباً آٹھ میل کے فاصلے پر پہلا ریلوے اسٹیشن موضع دھوگڑی کا تھا۔ اس گاؤں کی تمام آبادی مسلمانوں کی تھی۔ زمین بے حد زرخیز گندم اور کماد کے علاوہ پوست بھی کاشت ہوتا تھا۔ پوست کا کھیت جب پھول پر آتا ہے تو حد نظر تک پھولوں کی چادر بچھی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ دلکشی اتنی کہ دیکھتے ہی رہ جائیے لیکن اس کے بور کا مرحلہ پوست کے پودے کو پاپی بنا دیتا ہے۔ مجھے تکنیکی نام تو معلوم نہیں لیکن اس پودے کے بیج جن کو خشخاش کہا جاتا ہے۔ ایک پتلے چھلکے والے غبارہ نما خول میں بند ہوتے ہیں جسے عام زبان میں وہاں ڈوڈا کہتے تھے۔ یہ ڈوڈا جب پکنے پر آتا تھا تو اس کی بیرونی سطح پر شگاف لگا دیئے جاتے۔ ان شگافوں سے ایک گہرے رنگ کا مواد رس رس کر جم جاتا تھا۔ اسے کھرچ کر علیحدہ کر لیا جاتا تھا۔ یہ خالص افیون ہوتی تھی۔ خشخاش تو عام طور پر غذا اور کبھی کبھی دوا کے طور پر کام آتا تھا ڈوڈے کا خشک چھلکا دوا کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ افیون حاصل کر لینے کے باوجود چھلکے میں کچھ سرور آور اجزاء باقی رہ جاتے تھے۔ خشک چھلکے کو پانی میں بھگو کر جو لعاب حاصل کیا جاتا تھا وہ سرور آور ہوتا تھا۔ دھوگڑی کے چند بڑی عمر کے شرفاء ڈوڈے پینے کی علت میں مبتلا تھے۔

یہ بچے شکار کھیلنا کیا جانیں!

اس پوست نوشی کا ایک واقعہ یاد آ گیا۔ دسمبر کا مہینہ تھا ایک بزرگ کی بیٹھک میں پوست نوشی کی محفل آراستہ تھی۔ صاحب خانہ پر بھی کچھ سرور طاری ہو چکا تھا اور وہ مزید قدح تیار کرنے میں مصروف تھے۔ کہ سامنے گلی سے ایک نوجوان بندوق لئے

گزرا۔صاحب خانہ نے آواز دے کر اس کو بیٹھک میں بلالیا پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟اس نے بتایا کہ مرغابی کے شکار پر بزرگوار نے نوجوان کو تو جانے دیا لیکن بعد میں مزاحیہ انداز میں فرمایا کہ یہ بچے شکار کھیلنا کیا جانیں۔شکار تو ہم کھیلا کرتے تھے۔ایک شکار کا قصہ انہوں نے یوں سنایا۔

قاز کے گوشت کا قیمہ اور دال چال:

مرغابی کے شکار کا موسم شروع ہوتا تو رات کو اپنی نالی بندوق سرہانے رکھ کر سوتا تھا۔تاکہ علی الصبح شکار کے لئے نکل جاؤں۔ایک صبح آنکھ کھلی تو قازوں کی آواز کان میں پڑی جو نزدیک آتی جا رہی تھے۔مجھے شبہ ہوا کہ ہمارے مکان کے اوپر سے گزریں گی بندوق لے کر چھت پر چلا گیا۔قازوں کی اڑان واقع ہمارے گھر کی سمت آرہی تھی۔جب غول میرے اوپر پہنچا تو میں نے یکے بعد دیگرے دونالیاں فائر کردیں۔دوتین قاز میرے صحن میں گرے نیچے جا کر جلد جلد ذبح کئے بندوق کے دھماکے سے میری بیوی جاگ گئی تھی میں نے کہا کہ نیک بخشتے آج قاز کے گوشت کا ہی قورمہ اور پلاؤ پکانا۔کھانے کا وقت آیا تو میرے بیٹے نے جو اس وقت چار پانچ برس کا تھا،ایک مصیبت کھڑی کردی کہ روٹی دال سے کھاؤں گا۔بہت بہلایا پھسلایا لیکن وہ اپنی بات پر اڑا رہا کہ کھانا کھاؤں گا تو دال سے ورنہ نہیں کھاؤں گا۔مجبوراً ہم نے ہتھیار ڈال دئے۔میں نے بیوی سے کہا کہ پڑوس کے کسی گھر سے تھوڑی سی دال لے آؤ۔وہ کچھ دیر کے بعد واپس آئی لیکن دال کے بغیر،کہنے لگی سارا محلہ چھان مارا سب کے ہاں قاز ہی پکے ہیں۔ہر گھر سے یہ معلوم ہوا کہ صبح نماز کے وقت دو دھماکے ہوئے اور ہر گھر میں ایک یا ایک سے زائد قاز گرے تھے۔تو بھئی ہم تو ایسا شکار کھیلا کرتے تھے۔

بات ماموں امین کی ہو رہی تھی،میں درمیان میں اور قصہ لے بیٹھا بہرکیف

اصل موضوع کی طرف آتا ہوں ماموں امین سپرنٹنڈنٹ جیل راولپنڈی کے عہدے سے پنشن پا کر ماڈل ٹاؤن لاہور کے ایف بلاک میں مستقل رہائش پذیر ہوئے۔ان دنوں میں بھی عارضی طور پر ان کی کوٹھی سے چند منٹ کے فاصلے پر ایف بلاک میں ہی مقیم تھا۔شام کو فارغ وقت میں کبھی کبھی ان کے سلام کے لئے چلا جاتا تھا۔اللہ اللہ کیا شفیق اور ہمدرد بزرگ تھے۔چوڑے چکلے شانے،خوش خوراک اور خوش مزاج بزرگ تھے۔اصولوں کی سختی سے پابندی کرتے اور کراتے تھے چونکہ ساری عمر شادی نہیں کی اس لئے گھر کا ماحول گھر صاحب بہادرانہ تھا۔اکثر سونا سونا رہتا تھا۔البتہ گرمی کے موسم میں اس روز بہت گہما گہمی رہتی جب عزیز و اقارب آئس کریم پارٹی کے لئے جمع ہوتے۔آئس کریم بہت لگن سے خود تیار کرتے تھے۔ایک روز شطرنج کا ذکر آگیا۔تو انہوں نے مجھ سے پوچھا تو میں نے کہا جی کھیل لیتا ہوں فوراً حکم ہوا کہ ہر تعطیل کے روز میں ناشتہ ان کے ہمراہ کروں پھر شطرنج کی بازی لگے گی۔چنانچہ جب تک میں ایف بلاک میں رہا ہمارا یہ معمول جاری رہا۔ایک روز صبح کے وقت ان کے ہاں پہنچا تو لان میں بیٹھے ایک زخمی پرندے کی مرہم پٹی کر رہے تھے۔اس کی حفاظت کے مدنظر ایک پنجرہ منگوایا گیا۔روزمرہ زخم صاف کر کے دوا لگاتے اور اس کے دانے پانی کا خیال رکھتے۔تندرست ہونے پر جنگل میں چھوڑ آئے۔

جنگلی پرندوں کی آزادی پر خوشی:

ایک روز ان کی ہمشیرہ کا ملازم سندھ سے ان کے لئے بطور سوغات پندرہ بیس کالے تیتر لے کر پہنچا کالے تیتر کا گوشت میری کمزوری تھی۔میں نے عرض کیا کہ دو چار تیتر مجھے مل جائیں۔لیکن ٹال دیا۔دو تین روز بعد معلوم ہوا کہ سارے تیتروں کو جنگل میں چھوڑ آئے ہیں۔میں نے اپنی محرومی پر مایوسی ظاہر کی تو بہت شفقت سے مجھے سمجھایا کہ جنگلی پرندوں کو آزاد دیکھ کر مجھے خوشی ہوتی ہے۔ان کی جان کیسے لے

لیتا۔ اس کے بعد فرمانے لگے کہ اس کے پس منظر میں ایک اہم واقعہ ہے جو ان کی جوانی کی عمر میں پیش آیا تھا۔ وہ واقعہ ان ہی کی زبانی سنیئے۔

''اس وقت میری جوانی کی عمر تھی۔ تعلیم مکمل کر کے ملازمت کی توقع پر اپنے آبائی گاؤں میں انتظار کی گھڑیاں گزار رہا تھا۔ صبح کی سیر کی عادت تھی۔ گاؤں میں پختہ سڑک تو تھی نہیں اس لئے گاؤں کی آبادی کے قریب سے جو ریلوے لائن گزرتی تھی۔ اس کو سیر کے لئے استعمال کرتا تھا۔ ایک روز بائیں کان سے خفیف سا درد ہوا۔ میں نے کوئی اہمیت نہ دی۔ گھریلو چٹکلے آزماتا رہا مگر درد میں روزانہ کچھ اضافہ ہی ہوتا رہا۔ دھوگڑی میں کوئی طبی سہولت میسر نہ تھی۔ اس لئے دھوگڑی سے تین چار میل دور قصبہ علاول پور کے سرکاری ہسپتال سے رجوع کیا۔ ڈاکٹر نے سرسری معائنہ کے بعد بتایا کہ کان کے اندر معمولی سا ورم ہے۔ چند دن میں آرام آجائے گا۔ کان میں ڈالنے کے لئے دوا دے دی۔ دس پندرہ روز یہ علاج جاری رہا لیکن درد میں کمی کے بجائے کسی قدر اضافہ ہی ہوا۔

''ایک مہربان ماہر سرجن جالندھر کے پاس لے گئے۔ ان کے علاج سے بھی آرام نہ آیا۔ تو انہوں نے دہلی کے ایک اسپیشلسٹ کے نام چٹھی کے ذریعے دہلی کے ڈاکٹر سے ملا انہوں نے بتا کہ کان کے اندر گہرائی میں ایک زخم ہو گیا ہے۔ اور خراب حالت میں ہے۔ اس کا فوری آپریشن بے حد ضروری ہے۔ لیکن دہلی میں اس آپریشن کی سہولت نہیں ہے۔ اگر کہیں یہ آپریشن ممکن ہو سکتا ہے تو اس کے لئے واحد جگہ ممبئی ہے فوراً جایئے، عارضی طور پر درمیانی عرصے کے لئے کان میں ڈالنے کی ایک دوا دے دی۔

''واپس گاؤں آ کر بمبئی کے سفر کی تیاری میں تین دن لگ گئے۔ طے یہ ہوا کہ میں اپنے بہنوئی کے پاس چلا جاؤں وہ ان دنوں حیدر آباد دکن میں محکمہ تعلیم کے اعلیٰ افسر تھے۔ ان کے توسط سے بمبئی میں علاج کے انتظامات بسہولت ہو جائیں گے۔ اس

دوران درد میں اضافے کے ساتھ ساتھ ہلکا ہلکا بخار بھی رہنے لگا۔

''حیدر آباد دکن پہنچ کر پہلے وہاں کے ڈاکٹروں کو دکھایا گیا۔ انہوں نے بھی بمبئی جانے کا مشورہ دیا۔ بمبئی جا کر معلوم ہوا کہ کان کی گہرائی میں ناسور ہو گیا ہے۔ جس کا واحد علاج آپریشن ہے۔ جو ہندوستان میں کہیں بھی نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے انگلستان جانا پڑے گا۔ ہندوستان پر انگریز کا راج تھا۔ اور امپریل پریفرنس (Imperial Preferance) کا زمانہ امریکہ یا کسی اور ملک کی کوئی شہرت تھی نہ اہمیت۔ ہر اہم مرحلے کے لئے انگلستان ہی کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ بمبئی کے ڈاکٹر نے کان میں ڈالنے کے ڈراپ اور چند کھانے کی دوائیاں دے دیں جو عبوری عرصے میں استعمال کرنا تھیں۔ یہ دوائیاں لے کر واپس اپنے گاؤں آ گیا۔

''انگلستان جانا کون سا آسان تھا لیکن قہر درویش بر جان'' مطلوبہ رقم کی فراہمی تک مجبوراً گاؤں میں ہی رہنا پڑا یہاں تک کہ دوائیاں ختم ہو گئیں۔ مزید دوائیوں کے لئے بمبئی لکھا۔ اس طرح دواؤں کا جو ناغہ ہوا تو میں نے دعاؤں کے مرحلے میں داخل ہو گیا۔ اس سے تکلیف میں تو کمی نہ ہوئی البتہ ذہنی سکون میسر آ گیا۔ اس اثناء میں صبح کی سیر کا پروگرام جاری رہا۔ بیماری کے باعث فاصلہ ذرا کم ہو گیا تھا۔ تکلیف بدستور تھی۔ نہ بمبئی سے دوائیاں پہنچیں نہ ہی انگلستان کے لئے مطلوبہ رقم فراہم ہوئی۔ گوں مگوں کی حالت میں دن گزر رہے تھے۔ لیکن تکلیف کے باوجود صبح کی سیر ترک نہیں کی۔

کچھوے پر رحم اور۔۔۔!

ایک روز سیر سے واپسی پر زمین میں لرزش محسوس ہوئی مڑ کر دیکھا تو ٹرین آ رہی تھی۔ عین اسی وقت سامنے نظر پڑی تو دیکھا کہ دونوں لائنوں کے درمیان لکڑی کے سلیپر پر اک کچھوا پیٹھ کے بل پڑا ہے۔ خیال آیا کہ یہ بیچارہ تو کچلا جائے گا۔ لیکن ٹرین سر پر آ گئی تھی۔ اپنی جان کا بھی خوف تھا۔ لیکن اللہ نے اتنی ہمت دی کہ پلک جھپکنے میں جست لگا کر کچھوے کو اٹھایا اور ریلوے لائن سے نیچے اتر گیا۔ حواس باختگی کا یہ

عالم کہ ٹرین کی گڑگڑاہٹ کے علاوہ اور کسی چیز کا احساس باقی نہیں تھا۔ ٹرین گزر گئی تو دیکھا کہ میں کچھوے کو ہاتھوں میں لئے کھڑا ہوں حواس ٹھکانے آئے تو نزدیک ہی ایک گڑھے پر نظر پڑی جس میں تھوڑا سا پانی تھا اس گڑھے کے کنارے کچھوے کو پیٹ کے بل رکھ کر واپس گاؤں کی طرف چل دیا۔

چند دنوں میں بھلا چنگا:

”ابھی ایک دو قدم بھی نہیں چلا تھا کہ ایک انسانی آواز کانوں میں پڑی جا تو نے ہم پر رحم کیا اللہ تیرے اوپر رحم کرے گا۔ پلٹ کر دیکھا تو گڑھے کے کنارے نہ کچھوا تھا نہ اور کوئی شے لیکن بلا شبہ آواز صاف سنائی دی تھی۔ چند لمحے گم صم کھڑا رہا کچھ خوف کچھ گھبراہٹ کا ملا جلا احساس ہوا لیکن بہت جلد یہ گھبراہٹ دور ہوگئی اور میں مطمئن گھر کی جانب روانہ ہوگیا۔ دن تو خیر جیسے کیسے گزر گیا لیکن رات آئی تو اپنی حالت کچھ بہتر محسوس ہوئی۔ کھانا بھی قدرے رغبت سے کھایا۔ نیند بھی بہتر آئی صبح کو تروتازہ اٹھا۔ دن بھر درد میں کمی ہوتی رہی رات کو بخار بھی نہیں ہوا۔ غرضیکہ چند دن میں بھلا چنگا ہو گیا۔ بمبئی سے دوائیاں موصول ہونے تک ان کی ضرورت باقی نہ رہی تھی۔ احتیاطاً جالندھر جا کر سول سرجن سے معائنہ کرایا تو معلوم ہوا کہ کان کے اندر کوئی خرابی باقی نہیں رہی۔ وہ دن اور آج کا دن وہ تکلیف دوبارہ نہیں ہوئی۔ تو بھئی یہ ہے پس منظر جانوروں سے میری محبت کا۔ موجودہ سائنسی دور میں شاید یہ سرگزشت قابل یقین نہ ہو لیکن ماموں امین کے کردار کے منظر میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ سرگزشت حرف بہ حرف صحیح ہے اور اس کے سچ ہونے میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔

☆☆☆☆☆

آخر وہ عورت کون تھی؟

اسکول سے چھٹی کے بعد ہم گھر واپس آرہے تھے۔ راستے میں دوست کہنے لگے کہ آج قبرستان کے راستے سے گھر چلتے ہیں۔ میں نے کہا چھوڑو یار، کیسی باتیں کرتے ہو۔ وہ مجبور کرنے لگے تو میں نے کہا چلو چلتے ہیں۔ جب ہم قبرستان کے درمیان پہنچے تو درختوں کے جھنڈ میں ہمیں ایک عورت نظر آئی جو سفید لباس میں لپٹی ہوئی تھی۔ اس کے لمبے لمبے دانت اور لمبے لمبے ناخن تھے۔ اس کے نزدیک ایک گائے تھی اور وہ اسے نوچ نوچ کر کھا رہی تھی۔ جب ہم نے یہ منظر دیکھا تو ڈر کے مارے کانپ گئے اور گھر کی طرف دوڑ لگا دی کہ وہ کہیں ہمیں بھی نہ گائے کی طرح نوچنا شروع کر دے۔ وہ دن اور آج کا دن ہے ہم نے پھر کبھی قبرستان سے گزرنے کی ہمت نہ کی، جب بھی یہ واقعہ یاد آتا ہے تو ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

(یاسر رفیق نگروٹہ، شکر گڑھ)

☆☆☆☆☆

جنات کا سایہ

پلوشہ اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھی، جس کو والدین بہت پیار کرتے تھے کیونکہ وہ اکلوتی ہونے کے ساتھ ساتھ خوبصورت اور بہت ذہین تھی۔ ایک دن وہ اسکول سے واپس آ رہی تھی۔ راستے میں ایک ندی بہتی ہے۔ اس نے ندی کنارے بیٹھ کر حسب معمول اپنا ہاتھ منہ دھویا اور سائیڈ پر بیٹھ گئی۔ کافی دیر تک پانی میں دیکھتی گئی۔ اچانک پلوشہ نے شرارت سے ندی میں دو تین پتھر مارے، پھر اٹھ کر بھاگنا شروع کر دیا۔ بجائے گھر جانے کے دوسری طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ بھاگتے بھاگتے کتابوں والا بیگ راستے ہی میں پھینک دیا۔ دو لڑکیاں، جو اسکول سے واپس آ رہی تھیں، انہوں نے پلوشہ کی جب یہ حالت دیکھی تو جا کر پلوشہ کو پکڑ لیا اور پوچھا کہاں جا رہی ہو پلوشہ؟ مگر پلوشہ نے کوئی جواب نہ دیا، بلکہ پہلے تو ہنسنے لگی اور پھر رونا شروع کر دیا۔ انہوں نے رونے کی وجہ پوچھی تو کہنے لگی کہ وہ سامنے پانی کے اندر ایک چڑیل ہے، جو مجھے کھا جائے گی۔ مجھے اس چڑیل سے آپ بچائیں گی؟ کہاں ہے چڑیل؟ کوئی چڑیل نہیں۔ شاید تم ڈر گئی ہو۔ یہ تمہارا وہم ہے۔ پلوشہ نے انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ دیکھو سامنے ہے۔ کتنے بڑے دانت ہیں اس کے، بال بھی بہت لمبے ہیں۔

وہ دونوں سمجھ گئیں کہ پلوشہ کسی شے سے ڈر گئی ہے۔ انہوں نے پلوشہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ چڑیل کو مار بھگائیں گے۔ بڑی مشکل سے وہ پلوشہ کو اس کے گھر لے گئیں۔ جیسے ہی وہ گھر پہنچی تو اس کو بخار چڑھ گیا۔ سبھی نظروں سے سب کو دیکھنے لگی۔ کبھی ہنسنے لگتی تو کبھی رونا شروع کر دیتی۔ ماں نے اس کی یہ حالت دیکھی تو وہ سمجھ گئی کہ ضرور پلوشہ کو کسی جنّ بھوت کا سایہ ہو گیا ہو گا۔

اس کی ماں کافی سمجھدار عورت تھی، جس نے قرآنی آیات، سورت یٰسین پڑھ کر

اس پر دم کیا اور پانی دم کر کے اسے پلایا۔ تین چار دن اسکول سے چھٹی کروا دی۔ ان دنوں اس کی طبیعت کچھ بہتر ہو گئی۔ دوبارہ اسکول جانے لگی۔ ایک دن اسکول سے واپس آئی تو اسی جگہ ندی کے کنارے بیٹھ گئی اور مسلسل پانی میں نظریں ڈال کر دیکھتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد کہنے لگی چڑیل میں تجھ سے نہیں ڈرتی۔ تو میرے قریب آئی ناں میں تجھے پورے پانچ جوتے ماروں گی۔ ایک دم اس نے اپنے پاؤں سے جوتا اُتار لیا اور جلدی جلدی پہن لیا اور پھر اس نے دو تین کلو کا پتھر اٹھا کر پانی میں دے مارا۔ پھر گھر کی طرف بھاگتی جا رہی تھی۔ جب گھر پہنچی تو کہنے لگی کہ چڑیل کیا یاد رکھے گی۔ یہ کہتے ہوئے اس نے کانچ کا جگ اٹھا کر اس میں پانی بھرا اور سارا جگ پانی پی گئی، پھر اس نے خالی جگ زمین پر مار کر توڑ دیا اور ساتھ ساتھ آوازیں بھی نکالنا شروع کر دیں۔ ہم اس گھر کو تباہ کر دیں گے۔ آگ لگا دیں گے۔ جیسے ہی اس نے ماچس کی ڈبیا اٹھائی، تیلی نکالی، تو ماں نے ایک دم اس کو پکڑ لیا۔ ماچس کی ڈبیا چھین لی۔ کبھی ادھر سے کوئی چیز اٹھالی، کبھی ادھر سے کچھ گرا دیا۔ گھر والے اس کی ان حرکتوں سے پریشان ہونے لگے۔ کسی نے بتایا کہ فلاں سائیں بابا جنات کو قابو کر لیتے ہیں۔ وہ اس کو بڑی مشکل سے وہاں لے گئے

معصوم بچی کو کیوں تنگ کرتے ہو؟

جب سائیں بابا نے سوال کیا کہ تم لوگ اس معصوم بچی کو کیوں تنگ کرتے ہو؟ ایک جنّ نے رونا شروع کر دیا کہ میرا ایک مہینے کا بچہ اس نے پتھر مار کر قتل کر دیا ہے۔ ہم اس کو نہیں چھوڑیں گے۔ اس کو بھی اسی طرح قتل کریں گے۔ سائیں بابا نے کہا تم اس طرح نہیں کر سکتے، انہوں نے کہا کہ ہم اس سے پیار کرتے ہیں اور یہ ہمیں پتھر مارتی ہے۔ ہم اس کو اٹھا کر لے جائیں گے، تو پھر سائیں بابا نے کہا کہ آپ اس کو تنگ کرتے ہیں اس کے ماں باپ بہت پریشان ہیں۔ جنات نے جواب دیا کہ کیا ہم پریشان نہیں ہیں۔ ہمیں اپنی اولاد پیاری نہیں۔ نو سال بعد جو بچہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں

دیا تھا، وہ اس نے قتل کر دیا۔ سائیں بابا نے بڑی منت سماجت سے پلوشہ کی جان چھڑائی، مگر جانے سے پہلے جنات اتنا ضرور کہہ گئے کہ ہم آتے جاتے رہیں گے۔ پلوشہ ہماری اپنی ہے۔ بھلا اس سے کیسے کوئی دُور رہ سکتا ہے۔ یہ کہتے ہیں پلوشہ بے ہوش ہوگئی اور جب ہوش میں آئی تو اس معاملے سے بے خبر تھی۔

(عبدالوحید شیرازی راسلام آباد)

☆☆☆☆☆

قبرستان کی چڑیل

یہ واقعہ جو میں آپ کو سنانے جارہی ہوں یہ واقعہ میرے بڑے بھائی کے ساتھ پیش آیا۔ آیئے ان کی زبانی سنیں۔ ''میں دہم جماعت کا طالب علم ہوں۔ میں روزانہ رات کے وقت سیر کے لئے جاتا ہوں۔ ایک دن میرے دوست کی سالگرہ تھی۔ شام 6 بجے اپنے دوست کے گھر چلا گیا۔ جب میں اپنے دوست کے گھر سے واپس آیا تو رات کے 9 بجے تھے۔ گھر پہنچ کر میں نے غسل کیا اور سیر کے لئے نکل گیا۔ باہر ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ جب میں سیر سے واپس آرہا تھا تو راستے میں میرا گزر قبرستان سے ہوا۔ میں نے جلدی جلدی قبرستان عبور کرنا شروع کیا ہی تھا کہ مجھے ایک عورت روتی ہوئی نظر آئی۔

یہ عورت رات کے وقت قبرستان میں کیا کر رہی ہے:

میں نے سوچا کہ رات کے اس وقت یہ عورت قبرستان میں کیا کر رہی ہے۔ جب میں اس کے قریب پہنچا تو اس سے پوچھا بی بی جی آپ کو کیا ہوا ہے اور رات کے اس وقت آپ یہاں کیا کر رہی ہیں تو اس نے کہا کہ بیٹا میں راستہ بھول گئی ہوں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ آپ کو کہاں جانا ہے تو اس نے کہا مجھے اپنے ساتھ لے چلو صبح ہوتے ہی میں چلی جاؤں گی۔ میں نے کچھ دیر سوچا اور کہا، آیئے پھر میرے گھر چلیں۔ وہ میرے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ اچانک راستے میں مجھے ٹھوکر لگی۔ میں نیچے گر گیا۔ اٹھتے وقت میری نظر اس عورت کے پاؤں پر پڑی تو وہ الٹے تھے۔ میں فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ بہت خوفناک ہو گیا تھا۔ لمبے لمبے ناخنوں، لمبے اور نوکیلے دانت میں نے اسے دیکھتے ہی آگے کی طرف دوڑ لگا دی اور ساتھ ساتھ آیت الکرسی اونچی آواز میں پڑھنا شروع کر دی۔ وہ چڑیل بھی میرے پیچھے بھاگ رہی تھی۔ میری آواز سنتے ہی رک گئی اور چیخ چیخ کر کہنے لگی آج تم میرے

ہاتھوں نہ بچتے اگر تم آیت الکرسی نہ پڑھتے۔ جب میں اپنے گھر پہنچا تو تمام حال گھر والوں کو سنایا۔ اس کے بعد مجھے کافی دن بخار رہا۔ میرے گھر والوں نے صدقہ بھی دیا۔ جب بھی یہ واقعہ مجھے یاد آتا ہے تو میرے اوسان خطا ہو جاتے ہیں اور میں پسینے میں شرابور ہو جاتا ہوں۔"

(فریحہ ارشد، ہارون ارشد ر بہاولنگر)

☆☆☆☆☆

بدروحوں کا مسکن

میری اہلیہ میں مافوق الفطرت اثرات اور غیر مرئی باتیں محسوس کرنے کی صلاحیت بہت زیادہ ہے۔ یہی کیفیت میری والدہ کی بھی تھی۔ مجھے تو یہ کوئی خاندانی خوبی معلوم ہوتی ہے۔ میری ماں کو پورا یقین تھا کہ وہ کسی بھی مکان کو فاصلے سے دیکھ کر بتا سکتی ہے کہ وہ بدروحوں کا مسکن ہے یا نہیں خارج از حواس ادراک کے معاملے میں میری والدہ کی قوت بہت تیز تھی۔

اور زینت نے خودکشی کرلی:

جب ان کا قیام ہمارے ساتھ تھا تو مجھے دوبار اس کا تجربہ ہوا۔ ایک بار میرے پاس رہنے کیلئے احمد آباد آئیں تو انہوں اپنے پڑوس کی زینت نامی ایک لڑکی کا قصہ سنایا۔ اس لڑکی نے ایک آوارہ شخص سے شادی کرلی تھی لیکن بعد میں اسے پچھتاوے کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ وہ شخص لڑکی کو ذہنی اذیت پہنچانے کے علاوہ اکثر و بیشتر مارتا پیٹتا رہتا۔ جب میری والدہ ہمارے ہاں آئیں، تو ایک روز صبح بیدار ہونے پر خاصہ پریشان لگیں میں ان کی خیر و عافیت دریافت کرنے ان کے کمرے میں گیا تو انہوں نے مجھے اپنے پاس بٹھالیا اور کہنے لگیں: "رات میں نے بڑا بھیانک خواب دیکھا، جیسے زینت نے خودکشی کرلی ہے اور میں چیخ رہی ہوں میں اس قدر چیخی کہ میری آنکھ کھل گئی اور بڑی مشکل سے مجھے دوبارہ نیند آئی"۔

زینت کی خودکشی کی خبر:

تین دن بعد مدراس سے میری بہن کا خط آیا جس کے آخر میں انہوں نے ہمیں زینت کی خودکشی کی خبر دی تھی۔ اس نے سونے سے پہلے زہر کھالیا تھا اور وہ نیند ہی میں مرگئی۔ جب ہم نے اس کی موت کی تاریخ واردات کو اپنی والدہ کے خواب سے ملایا، تو ان میں حیران کن حد تک مطابقت تھی۔

عجیب وغریب بنگلہ:

اس سے زیادہ دلچسپ واقعہ 1960ء کی ابتداء میں اس وقت پیش آیا جب میں پالن پور کا کلکٹر تھا۔ میرے بیٹے جعفر کی عمر اس وقت ایک سال سے بھی کم تھی اور میری والدہ ہم لوگوں کے ہمراہ ایک پرانے بنگلے میں مقیم تھیں۔ اس بنگلے کی عمارت بے ڈھنگے طریقے سے دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔ بڑا حصہ قدیم تھا جو تقریباً سو سال پہلے تعمیر ہوا تھا اس کی دیواریں اینٹ اور گارے سے بنی تھیں لیکن اس کی چھت اور فرش قیمتی لکڑی سے مزین تھے۔ اس حصے میں دس بارہ رہائشی کمرے تھے۔ ملاقاتیوں کو بٹھانے اور ان کی ضیافت کے لئے بھی بڑے بڑے کمرے تھے ضیافت والے کمرے میں اتنی بڑی میز تھی کہ اس کے گرد چالیس آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ یہ عمارت برطانوی ڈپٹی کمشنر کی ضروریات پیش نظر رکھ کر بنائی گئی تھی جو برطانوی عروج کا نمائندہ سمجھا جاتا تھا۔ وہ شاید تقاریب کے مواقع پر نوابوں، راجاؤں اور سرداروں کو محفلوں میں مدعو کرتا تھا۔

وہاں نہ تو کتے تھے اور نہ ہی کتوں کی آوازیں:

بنگلے کے تمام کمروں میں آتش دان بنے ہوئے تھے کیونکہ ریگستان کے قریب ہونے کی وجہ سے سردیوں کے موسم میں پالن پور ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ گرمیوں میں دھوپ سے بچانے کیلئے کمروں کی چھتیں خاصی اونچی رکھی گئی تھیں۔ ان چھتوں سے قدیم انداز کے پنکھے لٹکے ہوئے تھے جو تقریباً دس فٹ لمبے یعنی امریکی پیمائش کے مطابق تھے۔ ان کی رسیاں چرخیوں کے ذریعے باہر جاتی تھیں جہاں پنکھے چلانے والا بیٹھ کر انہیں کھینچا کرتا تھا۔ بنگلے کی ایک جانب چھوٹا سا برآمدہ تھا جس کی چھت ڈھلوان رخ پر تھی۔ وہ برساتی کا کام بھی دیتی تھی۔ چونکہ برساتی سے ملاقاتی کمرے تک ایک ڈھلوان راستہ بنا ہوا تھا لہٰذا مہاراجاؤں کی کاریں براہ راست ملاقاتی کمرے تک

جاسکتی تھیں ہم اس بارہ دری کو اپنی پرانی جیپ کھڑی کرنے کیلئے استعمال کرتے جو اس بڑے گھر میں تن تنہا اور اداس نظر آتی خواب گاہوں میں وسیع عریض الماریاں بنی ہوئی تھیں جن میں زمانہ قدیم میں انگریز افسروں اور ان کی بیویوں کے لباس لٹکائے جاتے ہوں گے۔ بنگلے کا چھوٹا حصہ غالباً تیس چالیس سال پیشتر بنایا گیا تھا۔ اس کی پہلی منزل پر تین بڑے اور دو چھوٹے کمرے اور بہت سے برآمدے تھے چونکہ میرا خاندان میرے علاوہ صرف میری بیوی اور والدہ پر مشتمل تھا لہٰذا ہمارے لئے پہلی منزل کے کمرے کافی تھے ہم نے ایک چھوٹے کمرے کو باورچی خانے اور ایک برآمدے کو کھانے کے کمرے میں تبدیل کرلیا۔

کتوں کے بھونکنے کی آوازیں:

بنگلے کا بڑا حصہ ہم صرف اس وقت استعمال کرتے جب ہمارے ہاں کچھ مہمان ٹھہرنے کیلئے آتے بنگلے میں ایک پختہ ٹینس کورٹ بھی تھا کبھی کبھار نواب پالن پور، نواب رادھن پور، شہر کے کچھ قائدین اور سپرنٹنڈنٹ پولیس آجاتے چائے پیتے تھے اس بنگلے میں کئی باغ بھی تھے لیکن پانی کی کمی کی وجہ سے انہیں سرسبز حالت میں رکھنا دشوار تھا۔ عجیب بات یہ کہ ان باغوں میں بارہ تیرہ بڑے بڑے کچھوے بھی تھے۔ وہ بڑے صحت مند تھے حالانکہ ضعیف ہو چکے تھے۔ بنگلے کی حالت دیکھتے ہوئے یہ تعجب کی بات نہیں کہ میری والدہ کو محسوس ہوا کہ وہ مکان بدروحوں کا مسکن ہے۔ انہیں بڑے حصے کے عقب سے آدھی رات کے وقت کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنائی دیتی تھیں ان آوازوں سے ان کی نیند ٹوٹ جاتی۔ ابھی تیسری ہی رات تھی کہ انہوں نے مجھے جگا دیا۔ میں نے بالکنی پر کھڑے ہوکر چوکیدار کو آواز دی اور اس سے کہا کہ وہ ان کتوں کا کچھ علاج کرے۔ اس نے ایک چکر لگایا اور واپس آکر بتایا کہ وہاں تو کوئی کتا نہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ خود میں نے بھی کتے کے بھونکنے کی آواز نہیں سنی لہٰذا والدہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ وہ گیدڑوں کے چیخنے کی آوازیں ہوں گی لیکن وہ مطمئن نہیں ہوئیں۔

جھاڑیوں کے نیچے چھوٹی چھوٹی قبریں:

چند دن بعد میں نے بڑے مکان کے عقبی حصے پر غور کیا۔ ادھر جھاڑ جھنکاڑ پیدا ہو گیا تھا۔ ظاہر ہے ایسی جگہیں زہریلے سانپوں کا مسکن بن جاتی ہیں چنانچہ میں نے ملازموں سے کہہ کر اس جگہ کی صفائی کروادی۔ جب جھاڑیاں ہٹائی گئیں تو وہاں کچھ چھوٹی چھوٹی قبریں نظر آئیں۔ سنگ مرمر کی بنی ہوئی ان قبروں پر اسی پتھر کی تختیاں لگی ہوئی تھیں۔ میں نے سوچا شائد وہاں بچے دفن ہونگے لیکن جب قریب جا کر دیکھا تو اس قسم کی تحریریں نظر آئیں: ''پیارے شکاری کتے ٹموتھی کی یادگار۔ موت کی تاریخ 5 جون 1892ء''، ''یہاں ہمارا پیارا گولڈی لیٹا ہوا ہے۔ ہم اس کیلئے سکون کی دعا کرتے ہیں' 2 ستمبر 1906ء وغیرہ وغیرہ۔ یہ کتے ان انگریزوں کی محبت پوری دنیا میں مشہور ہے۔ لیکن یہ کتے آرام سے نہ رہے اور کبھی کبھار راتوں کو بھونک بھونک کر میری والدہ کی نیند خراب کرتے رہے۔ تاہم اس کے بعد جو واقعہ پیش آیا اس کے سامنے کتے والا واقعہ معمولی سی کہانی محسوس ہوتا ہے۔

یہ ڈاک بنگلہ بھوتوں کا مسکن ہے:

یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب ہم سرکاری دورے پر سہوری گئے۔ اپنی والدہ بیوی اور نوزائیدہ بچے کو اتنے بڑے گھر میں تنہا چھوڑنے کے بجائے میں انہیں بھی دوروں پر اپنے ساتھ لے جاتا تھا۔ سہوری کے ڈاک بنگلے پہنچ گئے۔ شام ڈھل چکی تھی۔ ابھی ہم ڈاک بنگلے کے احاطے میں داخل بھی نہیں ہوئے تھے۔ کہ میری والدہ کی نظر لمبے لمبے درختوں پر پڑی جن پر چمگادڑیں بسیرا کرنے آرہی تھیں انہیں دیکھتے ہی والدہ نے اعلان کر دیا کہ یہ ڈاک بنگلہ بھوتوں کا مسکن ہے۔ وہ اس بنگلے میں رات گزارنے سے ہچکچا رہی تھیں انہوں نے پوچھا کہ کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم کسی دوسری جگہ منتقل ہو جائیں؟

''پگی'' ایک عجیب لفظ:

میں نے انہیں بتایا کہ مجھے اس تعلقے میں کچھ سرکاری کام ہے اور ایسی دوسری کوئی جگہ نہیں جہاں ہم لوگ ٹھہر سکیں۔ آخر بڑے تذبذب کے بعد وہ وہیں ٹھہرنے پر آمادہ ہو گئیں۔ اس ڈاک بنگلے میں تین تین کمروں کے قطعے تھے۔ بہتر کنارے پر دو دو خواب گاہیں اور ان کے درمیان کھانے کا کمرا جس کی ء پیچھے باورچی خانہ تھا میری والدہ نے کنارے والے کمرے میں سونے سے انکار کر دیا کیونکہ اس طرح ہمارے درمیان ایک اور کمرا پڑتا اور فاصلہ بہت ہو جاتا میں نے 'پگی' یعنی بوڑھے نگران کو بلوایا اور والدہ کا بستر کنارے والے کمرے سے نکلوا کر کھانے کے کمرے میں لگوا دیا۔ 'پگی' ایک عجیب لفظ ہے پرانے ڈاک بنگلوں کے نگرانوں کیلئے اس کا استعمال عام ہے یہ لفظ جاگیردارانہ دور کی باقیات میں سے ہے جب اس قسم کے ڈاک بنگلے شکاریوں کے ٹھہرنے کیلئے استعمال کئے جاتے تھے۔ پگی دراصل وہ شخص ہوتا ہے جو چیتوں کو ان کے پگ (نشان قدم) کی مدد سے ڈھونڈتا ہے لیکن بعد میں ڈاک بنگلے کے نگران کو بھی اسی نام سے پکارا جانے لگا۔ ہم اس رات کھانا کھانے کے بعد جلد سونے چلے گئے کچھ دیر تک ہم نے باتیں کیں اور پھر سو گئے۔

ایک انگریز مردہ جوڑا میری چارپائی کے پاس کھڑا تھا:

وہاں مچھر بہت تھے اور میں نے والدہ سے کہا تھا کہ وہ خود کو اچھی طرح مچھر دانی سے ڈھانک لیں۔ رات کے کوئی دو بجے ہوں گے جب میں نے ایک چیخ سنی میں گہری نیند سے بیدار ہو گیا کچھ دیر تک میرے اوسان بحال نہ ہوئے پھر کھانے کے کمرے سے کچھ عجیب آوازیں آئیں۔ دراصل میری والدہ کچھ کہنا چاہتی تھیں۔ لیکن ان کی زبان سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔ اس وقت تک میری بیوی حسن آرا بھی جاگ چکی تھی میں بستر سے نکلا اور بھاگتا ہوا کھانے کے کمرے کے اندر داخل

ہوگیا۔ کمرے میں روشنی تھی حالانکہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے والدہ کو شب بخیر کہنے کے بعد بلب بجھا دیا تھا۔ وہ اپنے بستر میں بیٹھی ہوئی تھیں اور مچھر دانی اب تک ان کے گرد لپٹی ہوئی تھی۔ حسن آرا نے بھی بچے کو مچھر دانی میں لپیٹ کر وہیں چھوڑ ا اور بھاگتی ہوئی میرے پیچھے آگئی ہمیں والدہ کو دلاسا دینے میں کچھ وقت لگا اور پھر ہم نے ان سے پوچھا کہ وہ آکر کس چیز سے اس قدر خوف زدہ ہوگئی تھیں؟ وہ کہنے لگیں ”میں گہری نیند سو رہی تھی کہ میں نے روشنی جلائے جانیکی آواز سنی۔ میں جاگی تو دیکھا ایک انگریز جوڑا میرے بستر کی پائنتی پر کھڑا ہے۔ مرد سوٹ اور ہیٹ پہنے ہوئے کھڑا تھا اس کے داہنے ہاتھ میں چھڑی تھی جبکہ بایاں ہاتھ غایب تھا بس خالی آستین لٹک رہی تھی۔ عورت شب خوابی کے ایک لمبے لبادے کے علاوہ جھالر دار بڑا عجیب سا ہیٹ پہنے ہوئے تھی پہلے تو میں سمجھی کہ غالباً وہ لوگ اسی ڈاک بنگلے میں ٹھہرے ہوئے ہیں اور گھوم پھر کر واپس آئے۔

وہ انگریزی لہجے میں ہندی بول رہی تھی:

عورت نے اپنا ہاتھ مچھر دانی کے اندر ڈالا میرا پیر پکڑ کر ہلایا اور بولی تم یہاں کیوں سو رہی ہو؟ کیا یہ کوئی خوابگاہ ہے؟ یہ سونے کی جگہ نہیں۔ نکلو یہاں سے بھاگو یہاں سے۔ اس کا لہجہ بڑا کرخت اور درشت تھا اور وہ انگریزی میں ہندوستانی بول رہی تھی۔ اس کے بعد وہ تمہارے کمرے کی طرف چلے گئے اس وقت میں نے دیکھا کہ وہ عورت لنگڑا رہی تھی تمہارے کمرے کے دروازے پر وہ جوڑا غائب ہوگیا تب مجھے احساس ہوا کہ میں بھوتوں کو دیکھ رہی تھی میں پھر چلا چلا کر تمہیں آواز دینے لگی مجھے نہیں معلوم کہ میں کیا بڑبڑا رہی تھی۔

یہ قصہ سناتے وقت میری والدہ خوف زدہ نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھیں اچانک انہوں نے چونک کر پوچھا بچہ کہاں ہے؟ کیا تم نے اسے اکیلا چھوڑ دیا ہے؟

اب خوف زدہ ہونے کی باری حسن آرا کی تھی ہم تینوں بھاگتے ہوئے اپنے کمرے میں یہ دیکھ کر ہمیں ایک جھٹکا سا لگا کہ بستر خالی تھا حالانکہ مچھر دانی اب تک بستر سے لپٹی ہوئی تھی ”میرا بچہ،!“ حسن ارا نے چیختے ہوئے کہا۔ اسی وقت میں نے دیکھا کہ بچہ برآمدے کی طرف جانے والے دروازے کے پاس پڑا تھا اور گہری نیند سو رہا تھا ۔حسن آرا بھاگتی ہوئی گئی اور بچے کو اٹھالیا۔ وہ ایسی گہری نیند سو رہا تھا کہ اسنے ذرا بھی حرکت نہ کی۔ اس واقعہ کے بعد میری والدہ نے اس کمرے میں سونے سے انکار کر دیا۔ ہم نے ان کا پلنگ اپنے کمرے میں منتقل کیا اور پھر بقیہ رات پریشانی کے عالم میں گزار دی۔

آدم خور شیر کا شکار:

دوسرے دن صبح تعلقے کا معالمت دار ہمارے ساتھ ناشتے میں شریک تھا۔ اس نے 1920ء کے عشرے میں بطور کلرک محکمہ ماحولیات میں اپنی ملازمت کی ابتداء کی تھی اب اس کی پنشن کا زمانہ قریب آ رہا تھا تو سہوری کا مقامی باشندہ ہونے کی وجہ سے اس کا تقرر اپنے ضلع میں ہوگیا جب میں نے رات والا واقعہ سنایا تو اس نے بتایا:” حضور صرف آپ کی والدہ نے اس جوڑے کو نہیں دیکھا یہاں بہت سے لوگ وقتاً فوقتاً انہیں دیکھ چکے ہیں اس مرد کا نام انڈر یومیک گفیل تھا وہ کسٹم کا اسسٹنٹ کلکٹر اور سوئیگام کے ایک بنگلے میں آکر ٹھہرا کرتا تھا ان دنوں یہ علاقہ جنگلی جانوروں سے بھرا ہوا تھا۔ ہرن، چیتے اور تینندوے ہر قسم کے جانور یہاں موجود تھے' مجھے یاد ہے کہ جب میں چھوٹا سا تھا تو میں نے میک گفیل کو دیکھا تھا ایک بار وہ ساتھ اپنی بیوی کو بھی لائے تھے، دونوں ایک آدم خور شیر کا شکار کرنے گئے لیکن اسے صرف زخمی کر سکے تیسری رات دوبارہ گئے لیکن اس بار شیر نے انہیں آلیا۔ دونوں بری طرح زخمی ہوئے میک گفیل کا بایاں ہاتھ اور ان کی بیوی کا ایک پیر ضائع ہوگیا دونوں مہلک زخموں کے

ساتھ اس ڈاک بنگلے میں لائے گئے لیکن صبح ہونے سے پہلے مرگئے۔ میری طبیعت میں شک وشبے کا مادہ بہت ہے۔ میں صبح سے اپنی والدہ کو یقین دلانے کی کوشش کررہا تھا کہ جو کچھ انہوں نے دیکھا وہ محض ایک خواب تھا۔ کلکٹر کے بنگلے میں رہ کر اوران گوروں کا سن کر جو کبھی وہاں رہا کرتے تھے وہ نفسیاتی طور پر ان لوگوں کے بھوت دیکھنے کیلئے پوری طرح تیار ہوتے۔ انہوں نے فاتحانہ انداز میں میری طرف دیکھا جیسے کہہ رہی ہوں اب تمہیں میری بات کا یقین آگیا یا نہیں؟ مجھے یقین آیا ہو یا نہ آیا ہو، یہ ایک الگ سوال ہے لیکن جو بات آج تک خلجان میں مبتلا کئے ہوئے ہے وہ یہ ہے کہ سوتا ہوا بچہ بستر سے باہر کیسے نکلا اور مچھر دانی میں لپٹا لپٹا یا کس طرح دروازے تک پہنچ گیا حالانکہ اس کی عمر صرف چند ماہ تھی۔ بہر حال ہم نے اسی روز اپنا سامان باندھا اور دورہ مختصر کرکے پالن پور واپس آگئے۔ سردی میں دوسری رات گزارنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

☆☆☆☆☆

بلقیس جننی

یوں تو جنات کے بارے میں کثرت سے واقعات سننے میں آتے ہیں مگر یا تو وہ بالکل من گھڑت ہوتے ہیں یا ان کے درس مبالغے سے رنگ آمیزی کی جاتی ہے۔ میں نے بھی ایسے بہت سے واقعات سنے، مگر جو واقعہ میں بیان کررہا ہوں وہ من و عن حقیقت پر مبنی ہے۔ یہ عجیب واقعہ میرے ایک قریبی عزیز سید مختار احمد صاحب کو پیش آیا اور ان کا بیان کردہ ہے سید مختار احمد صاحب ایک پنشنر پولیس آفیسر ہیں اور اس وقت ان کی عمر تقریباً 95 سال ہے وہ اب خاصے ضعیف ہیں اور کمر خمیدہ ہیں مگر ان کی دماغی حالت بالکل درست ہے میں ان کے اس بیان کردہ واقعے کے بارے میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ بالکل درست ہے کیونکہ بزرگ موصوف نہایت صالح اور نیک انسان ہیں اور لڑکپن ہی سے ارکان دینی کے پابند رہے ہیں اور حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہو چکے ہیں ان کے بارے میں یہ گمان بھی نہیں ہوسکتا کہ انہوں ے اس بارے میں دروغ بیانی سے کام لیا ہوگا اب آپ ان ہی کی زبانی یہ حیرتناک واقعہ سنیئے: اب تقریباً 72 سال پہلے میرے والد مرحوم میر یوسف علی صاحب ضلع ڈیرہ غازی خاں میں تحصیلدار تھے اس زمانے میں ڈیرہ غازی خاں دریائے سندھ کے کنارے آباد تھا جو بعد میں دریا برد ہوگیا اور موجودہ شہر آباد کیا گیا۔ اس پرانے شہر میں ایک بزرگ مولانا عبداللہ خاں صاحب آئے جو بڑے عامل تھے۔

جنات جہاں ہوں گے ظاہر ہو جائیں گے:

میرے سامنے انہوں نے ایک مرتبہ ٹھیکرے پر ایک نقش بنایا اور ٹھیکرا اپنے ہاتھ پر رکھ دیا فوراً ہی ایک چیل جو خاصی بلندی پر پرواز کررہی تھی ان کے ہاتھ پر آکر بیٹھ گئی گویا کہ یہ حب کا نقش تھا اور اس کی تاثیر کا یہ مظاہرہ تھا۔ ایک مرتبہ انہوں نے

ایک قریب کھڑی ہوئی گائے کو کچھ دیر غور سے دیکھا تو یہ گائے گر کر تڑپنے لگی غرض یہ کہ یہ بزرگ عامل کامل تھے میں نے ان سے ایک عمل سیکھا جس کی خاصیت یہ تھی کہ اس کی تکمیل ہونے پر جنات جہاں ہوں گے ظاہر ہو جائیں گے یہ چالیس روز پڑھنے کا عمل تھا رات کو علیحدہ جگہ آیۃ الکرسی پڑھ کر اپنے چاروں طرف ایک حصار کھینچنا پڑتا تھا اور گیارہ ہزار ایک سو گیارہ مرتبہ حب حب یا بدوح پڑھنا ہوتا تھا یہ بھی شرط تھی کہ عمل کے دوران میں اپنے ہاتھ کا کمایا ہوا رزق کھایا جائے میں نے اس کا اہتمام کیا اور عمل شروع کر دیا چند روز کچھ نہ معلوم ہوا پھر کچھ شکلیں نظر آنے لگیں اور ڈرانے بھی لگیں یہ ان کا ڈرانا بڑھتا گیا، حتیٰ کہ ایک رات کوئی آدمی نیزہ لئے آیا اور اس نے یہ نیزہ میری طرف دفعتاً بڑھایا ایک مرتبہ شیر بھی نظر آیا مگر یہ سب حصار سے باہر رہے جب میں نہ ڈرا اور اپنے وظیفے میں مصروف رہا رفتہ رفتہ ان کا ڈرانا ختم ہو گیا غرض یہ کہ میں نے چالیس روز کا یہ عمل مکمل کر لیا۔

اس مکان میں آسیب کا خلل ہے:

تقریباً پندرہ سال بعد میں ریاست ٹونک میں بطور اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس تعینات ہو گیا ریاست ٹونک کے نواب اس وقت ابراہیم علی خان صاحب مرحوم تھے جنہوں نے ایک بڑے طویل عرصے اس ریاست پر حکمرانی کی۔ شہر ٹونک میں جب مجھے مکان کی تلاش ہوئی تو معلوم ہوا کہ صاحبزادہ یونس خاں کی ملکیتی ایک وسیع سہ منزلہ مکان خالی ہے مگر اس مکان میں آسیب کا خلل ہے اور گذشتہ کرائے دار کو اس مکان سے نیچے پھینک دیا گیا تھا اگرچہ وہ بچ گیا تاہم شدید چوٹیں آئیں اس بنا پر اب کوئی شخص اس مکان میں رہائش کی جرات نہ کرتا تھا چونکہ میں خود عامل تھا اور اس بنا پر مجھے جنات وغیرہ کا ڈر نہ تھا لہٰذا میں نے اس مکان کی دوسری منزل میں رہائش اختیار کر لی۔ مجھے بغیر کرائے کے بآسانی یہ مکان مل گیا نچلی منزل میں میرا اردلی

کانسٹیبل نذر محمد رہتا تھا اور گھوڑا بھی بندھتا تھا اہل وعیال اس وقت ساتھ نہ تھے۔ چند روز کے بعد ایسا اتفاق ہوا کہ مغرب کے بعد میرے سر میں درد ہونے لگا میں نے ایک پیالی میں تیل لیا اور باہر صحن میں اپنی چارپائی کے ساتھ رکھ دیا اور اپنے اردلی نذر محمد خاں کو آواز دی کہ وہ آ کر میرے سر میں تیل کی مالش کرے میں خود چارپائی پر لیٹ گیا۔

جنی نے میرے سر کی مالش کی:

نذر محمد خاں تو نہ آیا مگر میں نے محسوس کیا کہ کوئی عورت میرے سرہانے بیٹھی ہوئی ہے اور میرے سر میں تیل لگا رہی ہے چوڑیوں کی جھنکار سے عورت کی موجودگی ظاہر ہوئی۔ بڑی دیر تک یہ عورت میرے سر میں تیل لگاتی رہی پھر میں یکبارگی اٹھ کر بیٹھ گیا اور مڑ کر دیکھا وہ عورت فوراً بھاگ کر زینے پر چڑھنے لگی میں نے کہا ”دیکھ لیا دیکھ لیا“ وہ عورت زینہ چڑھ کر تیسری منزل کی چھت پر چلی گئی میں سمجھ گیا کہ یہی عورت اس مکان کا آسیب ہے۔

جنی نے غسل خانے میں لوٹا پکڑایا:

پھر کچھ روز بعد ایسا ہوا کہ میں تہ بند باندھ کر نہانے کیلئے غسل خانے میں داخل ہوا میری عادت تھی کہ گرمیوں میں بھی قدرے گرم پانی سے نہاتا تھا غسل خانے میں جو پانی رکھا ہوا تھا زیادہ گرم تھا میں نے آواز دی نذر محمد ٹھنڈا پانی دے جاؤ لیکن نذر محمد خاں اردلی نے جو نچلی منزل پر رہتا تھا میری آواز نہیں سنی اتنے میں غسل خانے کے دروازے کے پردے کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ اندر آیا جس میں ٹھنڈے پانی سے بھرا ہوا ایک بڑا لوٹا تھا میں نے یہ لوٹا لے لیا اور ہاتھ پردے کے پیچھے واپس چلا گیا میں نے لوٹے کا ٹھنڈا پانی گرم پانی کے برتن میں ڈال دیا چند منٹ بعد پردے کے پیچھے سے خالی ہاتھ غسل خانے کے اندر آیا گویا خالی لوٹا طلب کر رہا تھا میں نے

دانستہ لوٹے کو ذرا فاصلے پر ایک طاق میں رکھ دیا تھا اور جب ہاتھ غسل خانے کے اندر آیا تو میں نے کہا لوٹا نہیں ملتا یہ سنتے ہی بازو بڑھتا گیا اور طاق تک پہنچ گیا اور لوٹا اٹھا کر ہاتھ واپس چلا گیا۔

میرا نام بلقیس ہے اور میں جننی ہوں:

پھر کچھ عرصے بعد ایسا ہونے لگا کہ جب میں صبح کو قرآن شریف پڑھتا تو قریب ہی ایک عورت کی آواز خوش الحانی سے قرآن شریف پڑھنے کی آتی تھی پھر کچھ روز بعد ایسا ہوا کہ جب میں قرآن شریف پڑھتا تھا تو قریب ہی فرش پر بیٹھی ہوئی وہ عورت بھی قرآن شریف پڑھتی ہوئی نظر آتی تھی پھر چند دن بعد وہ عورت مجھ سے ہم کلام ہوئی اور میرے دریافت کرنے پر بیان کیا ”میں قوم جنات سے ہوں میرا نام بلقیس ہے میں بیوہ ہوں اور اس مکان کے تہہ خانے میں میرا مسکن ہے۔“ اس کے بعد گاہ بہ گاہ جب میں تنہا ہوتا تھا تو یہ بلقیس نامی جننی آجاتی تھی اور مجھ سے کچھ فاصلے پر بیٹھ جاتی تھی اور بہت مہذبانہ اور معقول گفتگو کرتی تھی وہ دیکھنے میں تقریباً 35 سال کی معلوم ہوتی اچھا خاصا سرخ وسفید رنگ تھا صحت مند اور قبول صورت تھی، شکل سے پٹھانی معلوم ہوتی تھی عام عورتوں کے سے کپڑے پہنتی تھی اور دوپٹے سے سر اور سینہ ڈھکا ہوا ہوتا تھا اس میں صرف ایک بات انسانوں سے مختلف تھی اور وہ یہ کہ اس کی آنکھوں میں اس قدر تیزی تھی کہ نظر ان پر نہ ٹھہرتی تھی اور اس کو دیکھ کر رعب طاری ہو جاتا تھا اگرچہ میں عامل تھا اور عبادت گزار تھا تاہم اس کی موجودگی میں مشکل سے اپنے اوپر قابو رکھتا تھا اور اس سے مرعوب رہتا تھا۔

سقہ بلقیس کو دیکھ کر بیہوش ہو گیا:

ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ سقہ پانی کی مشک لے کر دوسری منزل پر آیا اور اس نے بلقیس کو دیکھ لیا جو تیسری منزل پر کھڑی ہوئی تھی سقہ یہ دیکھ کر بے ہوش ہو کر گر گیا

اور اس کی مشک پھٹ گئی رفتہ رفتہ اس بات کی شہرت ہو گئی کہ جننی میرے پاس آتی ہے اور مجھ سے ہم کلام ہوتی ہے۔

نواب ابراہیم علی خان، والئی ٹونک کے ایک ماموں زاد بھائی عبدالمجید خاں تھے جوان دنوں ٹونک میں ایکسائز کمشنر تھے وہ ایک بہادر اور جری جوان تھے اور شیر کا شکار بغیر مچان کے آمنے سامنے کرتے تھے آخر میں ان کی موت اس طرح واقع ہوئی کہ شکار کے دوران میں ایک شیر نے ان کو ہلاک کر دیا۔ جب عبدالمجید کو معلوم ہوا کہ میرے پاس جننی آتی ہے تو انہوں نے مجھے بلایا اور اصرار کیا کہ میں ان کو وہ جننی دکھاؤں اول تو میں نے منع کیا پھر کہا کہ اچھا میں اس سے پوچھ کر جواب دوں گا بلقیس سے دریافت کیا تو اس نے کہا کہ اچھا وہ اصرار کرتے ہیں تو میں سامنے آجاؤں گی طے یہ ہوا کہ کہ میرے تالی بجانے پر وہ تیسری منزل سے زینے کی راہ اتر کر دوسری منزل میں آجائے گی جہاں عبدالمجید خاں کو بٹھایا جائے گا عصر کے وقت میری اطلاع پر عبدالمجید خاں آگئے ان کے ساتھ دو آدمی اور بھی تھے ایک تو ان کا شکاری ساتھی تھا اور دوسرے ایک سفید ریش حافظ صاحب تھے میں نے کہا کہ پہلے نماز سے فارغ ہو جائیں۔

شیر کا شکاری بلقیس کو دیکھتے ہی کانپنے لگا:

چنانچہ ہم نے نماز پڑھی اور پھر میں ان تینوں کو کسی بہانے سے اوپر کی منزل پر لے گیا مبادا، ان کو بعد میں یہ خیال ہوا کہ میں نے تیسری منزل پر کسی عورت کو چھپا رکھا تھا اور وہی ان کے سامنے آگئی تیسری منزل میں نے ان صاحبان کو دکھا دی وہاں اس وقت کوئی بھی موجود نہ تھا پھر ہم زینے سے اتر کر دوسری منزل کے صحن میں آکر بیٹھ گئے میں نے طے شدہ ذریعہ اطلاع استعمال کیا یعنی تالی بجائی، میرے تالی بجاتے ہی بلقیس زینے سے اترنے لگی۔ اسے دیکھ کر تینوں صاحبان پر مختلف اثرات نمودار ہوئے۔ حافظ صاحب نے بلقیس کو دیکھ کر اپنا سر جھکا لیا اور آنکھیں نیچی کر لیں عبدالمجید خاں کا جو شکاری ساتھی تھا اس کی آنکھیں بلقیس کو دیکھ رہی تھیں، پھٹی کی پھٹی

رہ گئیں سب سے زیادہ اثر عبدالمجید خاں پر ہوا انہوں نے میرا گھٹنا پکڑ لیا اور بری طرح کانپنے لگے میں نے یہ حال دیکھ کر بلقیس کو واپس جانے کا ہاتھ سے اشارہ کیا اور وہ زینے ہی پر سے واپس چلی گئی عبدالمجید خاں کے سامنے جننی کو بلایا کیا تم یہ چاہتے تھے کہ وہ مرجائے اور اس کی جگہ تم کو مل جائے؟ اس زمانے میں ٹانک میں محمد حنیف خاں سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے، انہیں گھوڑوں کی اچھی شناخت تھی۔

بلقیس جننی نے گھاس چوری کرلی:

میں نے انہیں اپنا نیا خرید کردہ گھوڑا دکھانے کیلئے اپنے گھر بلایا ان ہی ایام میں خشک سالی کی وجہ سے گھاس کی قلت تھی محمد حنیف خاں نے بہت گھاس اکٹھی کرلی تھی مگر وہ گھاس کم ہونے لگی ان کو چوری کا شبہ ہوا انہوں نے اس گھاس پر رنگ چڑھوا دیا تاکہ کہیں اور نظر آئے تو چوری کا پتہ چل جائے ادھر میرے سائیس نے مجھ سے کہا جو گھاس منگوائی تھی ختم نہیں ہوئی چل رہی ہے جب محمد حنیف خاں میرا گھوڑا دیکھنے میرے مکان کی نچلی منزل میں آئے تو انہیں یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ گھوڑے کے آگے ان کی گھاس پڑی تھی جس کو انہوں نے رنگ کے چھینٹوں سے پہچان لیا اور کہا کہ ہم نے چور پکڑ لیا یہ گھاس کہاں سے آئی میں نے کہا یہ تو میری اپنی گھاس ہے آپ کے یہاں سے میں گھاس کیوں منگواتا بعد میں جب بلقیس جننی تنہائی میں میرے پاس آئی تو اس نے بتایا چونکہ محمد حنیف خاں کے پاس مفت کی گھاس تھی اور گھاس کی قلت تھی۔ لہٰذا اس نے گھاس میرے گھوڑے کیلئے منگوادی تھی۔

سپاہی نے غلطی سے بلقیس کا ہاتھ پکڑا اور بیہوش ہوگیا:

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ رات کو جب میں گشت کرنے شہر میں جاتا تھا تو بلقیس کچھ فاصلے سے میرے پیچھے پیچھے چلتی تھی ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ رات کے تقریباً تین بجے تھے میں شہر کا گشت کر رہا تھا اور کچھ پیچھے بلقیس تھی ایک چوک میں پولیس کا سپاہی ڈیوٹی پر کھڑا تھا وہ اندھیرے میں یہ سمجھا کہ میرے پیچھے میرا اردلی نذر

محمد خاں ہے اس نے یہ سمجھ کر کہا خان ذرا بیڑی دینا اور آگے بڑھ کر بلقیس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ہاتھ پکڑتے ہی بیہوش ہو کر گر گیا اور میں واپس گھر چلا آیا۔ اگلے روز تھانے میں اس سپاہی نے جو رپورٹ لکھوائی وہ یہ تھی رات کے تین بجے کے قریب میں ڈیوٹی پر کھڑا ہوا تھا کہ اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس صاحب گشت کرتے ہوئے ادھر آ گئے ان کو میں نے سلام کیا اور پھر مجھے ایسا معلوم ہوا کہ ان کے پیچھے ان کا اردلی نذر محمد خاں ہے اس سے آگے بڑھ کر میں نے بیڑی مانگی اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا پھر مجھے کوئی خبر نہ رہی حتیٰ کہ علی الصبح ایک سپاہی ادھر آیا اور اس نے مجھ کو تھانے پہنچایا۔

جنات کی لڑائی کے بعد۔۔۔!

ایک دن اتفاق ہوا کہ صاحبزادہ یونس خاں کا لڑکا گھبرایا ہوا میرے پاس دفتر میں آیا اور کہا کہ جلدی ہماری حویلی میں چلیئے میں پردہ گرا کر حویلی کے اندر گیا میں نے دیکھا کہ برآمدے اور کمرے میں جگہ جگہ خون کے چھینٹے پڑے ہیں مجھے خیال ہوا کہ کہیں صاحبزادے یونس خاں کی بیگم نے کسی باندی کو مارتے مارتے ختم تو نہیں کر دیا چنانچہ میں نے چارپائیوں اور چوکیوں کے نیچے بھی جھانک کر دیکھا کہ شاید ملازمہ کی لاش پڑی ہوئی ہو مگر کچھ نہ تھا خون کے چھینٹے نہ صرف فرش پر تھے بلکہ دیوار پر اور چھت پر بھی تھے۔

دریافت کرنے پر یہ معلوم ہوا کہ ایک آندھی سی آئی تھی اس کے بعد دیکھا کہ صحن میں جو انار کا درخت تھا وہ اکھڑا پڑا تھا اور جگہ جگہ خون کے چھینٹے پڑے تھے میں کچھ نہ سمجھ سکا کہ ایسا کیوں ہوا جب میں اپنے گھر واپس آیا تو بلقیس نے بتایا کہ جنوں کے دو گروہوں کے درمیان لڑائی ہوئی تھی اور اسی وجہ سے انار کا درخت اکھڑا تھا اور خون کے چھینٹے پڑے تھے۔ ایک دفعہ میں نے بلقیس سے پوچھا سنا ہے جنوں کے انگوٹھے کی ہڈی نہیں ہوتی اس نے ایک ہاتھ سے اپنے دوسرے ہاتھ کا انگوٹھا پکڑا اور کہا نہیں میرے انگوٹھے میں تو ہڈی ہے۔

پھر وہ کبھی نہیں آئی!

میری اہلیہ کے جب انتقال کی خبر آئی تو بلقیس نے اظہار تعزیت کیا اور قرآن شریف کی ''کل من علیھا فان'' پڑھی جب تک میں اس مکان میں رہا بلقیس میرے پاس آتی رہی جب کسی وجہ سے میں دوسرے مکان میں منتقل ہو گیا تو پھر وہ کبھی نہیں آئی۔ (اقبال الدین احمد صدیقی)

☆☆☆☆☆

سانپ، جن اور اجنبی دنیا

مظہر سعید قریشی کی کتاب ''ھڈ بیتی (سو فیصد سچ)'' سے ایک دلچسپ اقتباس۔

خدا جانتا ہے کہ یہ بات کہاں تک شک ہے کہ جنات سانپ کی شکل بدل کر لوگوں کے سامنے آتے ہیں۔ایک روایت کے مطابق کوئی اگر گھر میں سانپ دیکھے تو اسے تین مرتبہ نکل جانے کیلئے کہے۔اگر اس کے بعد نظر آئے تو اسے مار دے۔ایک دفعہ ایسا ہی تذکرہ ہو رہا تھا تو ایک جاننے والے نے جو قبائلی علاقے سے تعلق رکھتے تھے کہا کہ ان کے گاؤں میں یہ مشہور ہے کہ جب جن بہت بوڑھے ہو جائیں تو سانپ بن کر آجاتے ہیں تا کہ لوگ انہیں مار دیں اور ان کی خلاصی ہو۔یہ تو سنی سنائی باتیں ہیں لیکن ایک واقعہ جو محمد اسد صاحب نے Road to Makkah میں لکھا ہے اس کو آسانی سے جھٹلانا مشکل ہے محمد اسد صاحب وہی ہیں جنہوں نے قرآن پاک کا انگریزی میں ترجمہ اور تشریح لکھی ہے۔بلا شبہ وہ بہت پڑھے لکھے اور عالم دین تھے وہ لکھتے ہیں: اپنے دو ساتھیوں منصور اور زاہد کے ساتھ وہ صحرا میں جا رہے۔شام کا وقت اور سورج غروب ہونے کو تھا کہ ایک کالا بڑا سانپ آ گیا۔وہاں اس نے سر اٹھا کر ہماری طرف کا رخ کیا تو میں Reflex Movement کے ساتھ بندوق کو سنبھالا اور سانپ کا نشانہ لے لیا۔ادھر منصور چیخ کر بولا: ''مت مارئے۔مت مارئیے''۔ادھر میں Triggfer دبا چکا تھا۔

چچا جان آپ کو سانپ نہیں مارنا چاہئے تھا:

جب سانپ تڑپ کر مر گیا تو منصور نے کہا آپ کو سانپ مارنا نہیں چاہئے تھا مغرب کے وقت جن اکثر سانپ کی شکل میں نکلتے ہیں شائد تم ٹھیک کہتے ہو منصور یہ کہہ کر میں نے سوچنا شروع کیا کہ ایسی باتوں کو اگر سائنس ثابت نہیں کر سکتی تو اس کے خلاف بھی تو کوئی ثبوت نہیں۔ممکن ہے کسی اور دنیا کے Biological

Laws ہماری دنیا سے مختلف ہوں اور کبھی کبھی خاص حالات میں اپنے راستے کاٹتے ہوئے نظر آجائیں تو پرانی جنوں ، بھوتوں اور Super Natural باتوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ منصور کی بات پر آدھا یقین کئے میں یونہی بڑبڑا رہا تھا کہ زاہد بولا: ''منصور ٹھیک کہتا ہے۔ چچا جان آپ کو سانپ نہیں مارنا چاہیئے تھا''۔ ''بہت سال پہلے عراق جاتے ہوئے میں نے اسی طرح ایک سانپ کو مارا تھا۔

میں بیہوش ہوتے ہی جنات کی عدالت میں پیش ہوگیا:

اس وقت سورج غروب ہو رہا تھا۔ سانپ کو مارنے کے فوراً بعد میری ٹانگیں بہت بھاری لگنے لگیں ۔سر میں ایسا شور محسوس ہوا جیسے پانی کی بڑی آبشار گر رہی ہو۔ پھر ایسے جیسے میرے اعضاء آگ میں جلنا شروع ہو گئے میں گر کر بے ہوش ہو گیا اور گھپ اندیروں میں گم ہو گیا۔ مجھے معلوم نہیں کتنا عرصہ میں کالے اندھیرے میں رہا لیکن آ کر کیا دیکھتا ہوں کہ ایک آدمی میرے دائیں کھڑا ہے اور ایک بائیں۔ وہ مجھے ایک ہال میں لے گئے جہاں اور بھی بہت سے لوگ ہیں۔ کچھ عرصہ بعد مجھے احساس ہوا کہ میں ملزم ہوں اور مجھے جج کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔ چھوٹے قد کا بوڑھا آدمی اونچے ڈائس پر بیٹھا جج کے فرائض انجام دے رہا ہے۔ مقدمہ بنانے والی پارٹی الزام لگاتی ہے کہ اس شخص نے شام کے وقت اس کو رائفل سے مارا۔ جرم ثابت ہو چکا ہے ۔ وہاں میرا دفاع کرنے والی پارٹی بھی تھی۔ اس نے اسٹینڈ لیا۔ اس کو معلوم تھا کہ کس کو مار رہا ہے۔ بندوق چلانے سے پہلے اس نے خدا کا نام بھی لیا تھا یہ بے قصور ہے۔ دوسری پارٹی جھگڑنے لگی ۔اس نے ایسا نہیں کیا تھا۔ عدالتی کاروائی کچھ دیر جاری رہی۔ آخر جج بولا: اس کو معلوم نہیں تھا کہ کسے مار رہا ہے۔ اور اس نے مارتے وقت خدا کی تعریف بھی کی ہے۔ وہ دو آدمی جو مجھے پیش کرنے آئے تھے انہوں نے مجھے پھر پکڑا اور اسی اندھیرے میں لے گئے۔ پھر مجھے زمین پر لیٹا کر غائب ہو گئے اور میں نے اپنی آنکھیں کھولیں۔

مغرب کے وقت سانپ کو کبھی نہ مارنا۔۔۔!

دیکھا تو میں اناج کی بوریوں کے درمیان پڑا ہوں۔ میرے اوپر سورج سے بچنے کیلئے کپڑا اوڑھا ہوا ہے دوپہر کا وقت تھا سامنے اونٹ چر رہے تھے اور میرے ساتھی آس پاس کام کر رہے تھے۔ میں اتنا نحیف ہو چکا تھا کہ اپنا بازو بھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ میں نے مدھم آواز میں ''کافی'' تو میرے ساتھی بھاگ کر آئے اور کہا یہ بولتا ہے دیکھو یہ بولتا ہے گرم گرم کافی پینے کے بعد میں نے کچھ ہوش سنبھالا تو پوچھا: کیا میں ساری رات بے ہوش رہا ہوں؟ ساری رات؟ وہ چیخے ''تم تو چار دن سے ایک لاش کی طرح تھے ہم تمہیں بوری کی طرح دن کو لاد کر سفر کرتے اور رات کو نیچے رکھ دیتے اب ہمارا ارادہ تمہیں یہاں دفن کرنے کا تھا'' یہ سنانے کے بعد زاہد نے چیخ کر کہا کہ چچا مغرب کے وقت سانپ کو کبھی نہ مارنا محمد اسد لکھتے ہیں کہ کہانی پر آدھا یقین کر کے میرا دل Amuse ہو رہا تھا اور ساتھ ہی آدھا یقین ان دیکھی طاقتوں کو محسوس کر رہا تھا۔

☆☆☆☆☆